ماہنامہ
بیداری
حیدرآباد

مدیر
☆☆☆
حافظ محمد موسیٰ بھٹو

زیر اہتمام
☆☆☆
سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
۴۰۰- بی لطیف آباد۴- حیدرآباد
E.Mail
m.moosabhutto@gmail.com
www.bedarimillat.com

موبائل نمبر:
03363039299

جلد ستر واں ◯ جنوری ۲۰۲۰ء
قیمت: ۲۵ روپے، سالانہ: ۳۰۰ روپے

اہم تفسیری نکات (مستقل سلسلہ)	مولانا اشرف علی تھانویؒ محمد موسیٰ بھٹو	۲
(اہل محبت واہل سلوک کے لئے قرآنی لائحہ عمل)		
مادیت وروحانیت کی کشمکش (دوسری قسط)	محمد موسیٰ بھٹو	۷
اور اس کے اثرات ونتائج		
موجودہ حالات میں علماء سے	مولانا سیف اللہ رحمانی	۱۶
مطلوب کردار عزیمت		
تخلیق حیات اور مقصد زندگی سے آگہی	بدیع الزمان سعید نوریؒ	۲۳
(ایمان ویقین کے خزانوں سے بھرپور مقالات)		
اسلام کی دعوت اشاعت کا کام	عبدالکریم عابد	۳۳
اور اس کی ضرورت		
بڑھتی ہوئی غربت میں	ڈاکٹر اختر لاہور	۳۶
ملٹی نیشنل کمپنیوں کا کردار		
جاہلیت کے غلاف میں	مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ	۴۱
ہونے والی ترقی		
عقلمندی کا تقاضا		
رشد وہدایت کے درخشاں ستارے	مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی	۴۵
زندہ لاش کی طرح	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۵۳
جینے کی روش آخر کب تک؟		
بیٹے کو باپ کی نصیحت	محمد جمیل اختر جلیلی ندوی	۵۹

پبلشرز محمد موسیٰ بھٹو نے یادگار پرنٹنگ پریس حیدرآباد سے چھپوا کر سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ ۴۰۰
بی لطیف آباد-۴- حیدرآباد سے شائع کیا۔ ٹیلیفون: 3861864 (022)

مولانا اشرف علی تھانویؒ
محمد موسیٰ بھٹو

مستقل سلسلہ

اہم تفسیری نکات

(اہل محبت واہل سلوک کے لئے قرآنی لائحہ عمل)

فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ . (سورۃ الحج، آیت نمبر۵۲)

(اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست نابود کردیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو زیادہ مضبوط کرتا ہے، اللہ تعالیٰ خوب علم والا اور خوب حکمت والا ہے)۔

وسوسوں کا خود بخود مضمحل ہوجانا

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ وساوس شیطانی خود بخود مضمحل ہوجاتے ہیں، اس کے لئے مستقل تدبیر کرنے کی ضرورت نہیں اور بعینیہ یہی قول ہے محققین اہل تربیت کا۔

تشریح:

راہ سلوک وراہ محبت میں چلتے رہنے کے نتیجے میں ایک تو شیطان کی طرف سے وسوسے آنے لگتے ہیں، دوسرے باطن کی گہرائیوں میں موجود سارا گند نکلنے لگتا ہے، جس سے شروع میں وسوسوں کا زور ہونے لگتا ہے اور لاشعور سے نکلنے والی زندگی بھر کی واردات وواقعات اور اعمال کی ادلی بدلی صورتیں سامنے آنے لگتی ہیں، جس سے طالب عرصے تک وسوسوں کا شکار رہتا ہے، ذکر وفکر کے ذریعہ ہونے والے وسوسے شیطانی ہوں یا نفس کی طرف سے، ان کا مستقل علاج اس راہ پر گامزن ہونا ہے، اس سے یہ وسوسے بتدریج کم سے کم تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور ذہنی وقلبی سکون کی ایسی نعمت عظمیٰ عطا ہونے لگتی ہے، جس کے مقابلہ میں دنیا کی ساری نعمتیں ہیچ ہیں۔ (مرتب)

وَإِن جَادَلُوکَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ. (سورۃ الحج، آیت نمبر۶۸)

(اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا نکالتے رہیں تو آپ (اخیر بات یہ) یہ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے)۔

صوفیاء کا مخالفین سے تکرار نہ کرنے کا عمل

صوفیاء کا جو طرز ہے کہ کسی مخالف سے لڑا نہیں کرتے، اس آیت میں اس کی اصل ہے۔

تشریح:

صوفیائے کرام اللہ کی محبت کی جس حلاوت سے آشنا ہیں، اس کی وجہ سے وہ اپنے مخالفین سے تکرار کرنے کی بجائے ان کی اصلاح کے لئے دعا گو رہتے ہیں، تکرار وجدال ان کے مزاج کے منافی ہیں، ان کی خواہش وآرزو ہوتی ہے کہ اللہ کی محبت سے ناآشنا افراد راہ محبت میں داخل ہوں، تاکہ وہ دنیاداری اور جھگڑے والی حالت اورفضا سے بلند ہوکر حقیقی مقصدی زندگی گزارنے کے اہل ہوسکیں اور وہ اللہ کی دوسری مخلوق کے لئے کارآمد ہوسکیں اور ان کے لئے اللہ کے سامنے جواب دہی کی سرمشاری سے بچنے کی صورت پیدا ہوسکے۔

رواداری، محبت، نرمی، تحمل وبردباری کے حامل اور مخالفت کے جواب میں احسان جیسی صفات کے حامل اہل اللہ ہی ہوتے ہیں اور یہ صفات انہی کی صحبت کی برکت سے ہی حاصل ہوسکتی ہیں۔ (مرتب)

وَقُل رَّبِّ أَعُوذُ بِکَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَأَعُوذُ بِکَ رَبِّ أَن يَحْضُرُونِ. (سورۃ المومنون، آیت نمبر۹۷۔۹۸)

(اور آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں، شیطانوں کے وسوسوں سے اور میرے رب آپ کی پناہ اس بات سے کہ شیطان میرے پاس آئیں)۔

راہ سلوک میں وسوسوں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں

جو طریقت کا تمام سلوک طے کرتے ہوئے انتہا کو پہنچ چکا ہے، وہ بھی وساوس کا شکار ہوجاتا ہے، تو جس نے ابھی چلنا شروع کیا ہے، وہ کیسے گمان کرسکتا ہے کہ وہ وسوسوں سے محفوظ ہو، لہٰذا وسوسوں سے پریشان ہونے کی بجائے شیخ کے مشورے سے اسے دور کرنے کی کوشش کرتا رہے۔

تشریح:

وسوسہ ایسی چیز ہے، جو بشریت کا تقاضا ہیں، اہل اللہ جو سلوک کی تکمیل کرچکے ہوتے ہیں، وسوسے تو انہیں بھی لاحق ہوتے ہیں، لیکن ان کے وسوسے معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں اور وہ جلد ہی قابو میں آجاتے ہیں، جب اہل اللہ بھی وسوسوں کا شکار ہوتے ہیں تو متبدی ومتوسط طالبوں کا وسوسوں سے بچنا کیسے ممکن ہے، اس لئے وسوسے کتنے ہی آجائیں، ان سے بہت زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ یہ وسوسے علامت ہیں، اس بات کی کہ ذکر نے اپنا کام شروع کردیا ہے اور طالب کے اندر میں موجود گندگی کی صفائی کا عمل جاری ہے، جب تک دل کی پاکیزگی وصفائی نہ ہوگی، اس وقت تک دل کی گہرائیوں میں اللہ کے انوار داخل نہ ہوسکیں گے، طالب اگر اس نکتہ کا استحضار کرے تو وسوسوں سے شدید تشویش میں مبتلا نہ ہوگا، بلکہ ان وسوسوں کو وہ ایک اعتبار سے راہ سلوک میں آگے بڑھنے کا ذریعہ سمجھے گا، لیکن یہ بڑے المیہ کی بات ہے کہ اکثر طالب وسوسوں کے ہجوم سے پریشان ہوکر، جلد ہی اللہ کی محبت سے راہ فرار اختیار کرنے لگتے ہیں۔ (مرتب)

فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءلُونَ . (سورۃ المومنون، آیت نمبر۱۰۱)

(پھر جب قیامت میں صور پھونکا جائے گا تو ان میں جو باہمی رشتے ناتے تھے اس روز وہ نہ رہیں گے)۔

اہل اللہ سے تعلق استوار کرنا ناگزیر ہے

ہر مسلمان کو کسی نہ کسی متبع سنت بزرگ کے ساتھ تعلق رکھنا چاہئے، کیونکہ اس سے دنیا وآخرت میں برکات حاصل ہوں گی اور بہت نفع ہے۔

تشریح:

کسی اہل اللہ سے وابستگی ضروری ہے، اس سے اعمال صالحہ میں آسانی پیدا ہوگی، قول وعمل میں تضاد سے حفاظت حاصل ہوگی، تزکیہ کا عمل جاری ہوگا، اخلاص وللھیت پیدا

ہوگی، مزاج میں ٹھہراؤ پیدا ہوگا، خود اعتمادی حاصل ہوگی، قلبی وذہنی سکون کی نعمت حاصل ہوگی، اللہ پر توکل ویقین میں پختگی پیدا ہوگی، ذکر کا ملکہ راسخ ہونے میں مدد ملے گی، مادیت پرستی کے ماحول کے اثرات سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوگی، عقلیت پرستی کے نتیجے میں وجود میں آنے والے نظریات یا اسلام کی عقلیتِ محض پر مشتمل نئے ایڈیشن کے علمبرداروں سے متاثر ومرعوب ہونے کی فضا ختم ہوگی، اہل اللہ کی صحبت سے ذکر کی جو نعمت ملتی ہے، وہ دنیا وآخرت میں جملہ سعادتوں کا ذریعہ ہے۔ (مرتب)

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُم.

(سورۃ النور، آیت نمبر ۳۰)

(آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے)۔

سلوک کی تعلیم کا عظیم باب

چونکہ ذالک میں غض بصر (نگاہوں کو نیچے رکھنا) بھی داخل ہے، کیونکہ بدنگاہی زنا کی ابتدائی علامتوں میں سے ہے، پس اس میں ناپسندیدہ افعال کی طرف جانے والی چیزوں کی روک تھام ہے، یہ تعلیم سلوک کا عظیم باب ہے۔

تشریح:

ہر ایسی چیز جو فرد کو گناہوں سے قریب کردے، وہ ممنوع ہے، نگاہوں کی حفاظت کا اہتمام نہ کرنا اور عورتوں سے خلط ملط ہونا، ان کے ساتھ مل کر دفتر وکاروبار میں کام کرنا اور ان سے زیادہ گفتگو کے شوق کا ہونا، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو زنا کی طرف لے جانے والی ہیں، اس لئے زنا کا راستہ بند کرنے کے لئے اس طرح کی ساری چیزوں کی ممانعت ہے۔

گناہوں کا راستہ بند کرنا، یہ تعلیم سلوک کے لئے بنیاد فراہم کرتی ہے، اس لئے راہ سلوک میں زیادہ گفتگو کرنا، زیادہ میل جول رکھنا، دولت اور دنیا میں زیادہ وقت صرف کرنا، راہ محبت وراہ سلوک کے مخالف افراد سے تعلقات رکھنا، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو فرد کو راہ سلوک سے دور لے جاسکتی ہیں، اس لئے سلوک میں اس طرح کی ساری چیزیں ممنوع ہیں، البتہ منتہی کے لئے زیادہ بولنا اور زیادہ ملنا نقصاندہ نہیں ہے۔ (مرتب)

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ. (سورۃ النور، آیت نمبر ۳۱)

(اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں سے)

اسرار کو نا اہلوں سے پوشیدہ رکھنا

اس کی نظیر ہے کہ زینت اسرار کو اس کے نامحرم (یعنی نااہل) سے پوشیدہ رکھنا چاہے۔

تشریح:

راہ سلوک وراہ محبت میں طالب کو محبوب حقیقی کی طرف سے انعامات سے نوازا جاتا ہے، بہترین کیفیات، خواب اور کشف کے ذریعہ وسیع دنیا کا سیر وسفر، ارواح سے ملاقاتیں، واقعات کا قبل از وقت انکشاف، وغیرہ اس طرح کی بہت ساری چیزیں بعض طالبوں کو حاصل ہوتی رہتی ہیں، انہیں راہ سلوک کے اسرار زینت کہا جا سکتا ہے، طالب کے لئے ضروری ہے کہ وہ محبوب کے ان اسرار کو نااہلوں کے سامنے ظاہر نہ ہونے دے، اس لئے کہ ایک تو محبوب کے اسرار کو فاش کرنے سے محبوب ناراض ہوسکتا ہے، دوسرے یہ کہ نااہل اس طرح کے حالات کو مذاق کا ذریعہ بنا سکتے ہیں، سوم یہ کہ اس سے دعویٰ اور ناز پیدا ہوسکتا ہے، اس طرح معاشرے میں اہل تصوف کی حیثیت متاثر ہوگی۔

طالب اس طرح کے حالات وواقعات اپنے شیخ کے سامنے بیان کرسکتا ہے، تاکہ شیخ کی طرف سے اس کی صحیح توجیہ ہو سکے اور وہ طالب کو ان حالات کی نوعیت سے آگاہ کر سکے۔ (مرتب)

مادیت وروحانیت کی کشمکش

اور اس کے اثرات ونتائج

روح کی تسکین کے ذریعہ مادیت کی پیدا کردہ خوف زدگی سے نجات پانا

فرد جب دل کو اللہ کی محبت سے سرشار کرنے کی راہ اختیار کرتا ہے تو اس سے وہ مادیت کے رعب، اس کی دہشت وخوف زدگی بلکہ صحیح معنیٰ میں مادیت پرستی کے عذاب سے محفوظ ہو کر خوشی ومسرت کی نئی زندگی سے آشنا ہوجاتا ہے، خوشی ومسرت کی یہ نئی زندگی ایسی ہے، جس سے زندگی پاکیزگی کا نمونہ بن جاتی ہے۔

فرد کا ماحول کی پیداوار ہونا

لیکن اس کے لئے ضرورت ہے کہ صالح لوگوں اور روحانیت کے حامل افراد کی صحبت اختیار کی جائے اور ان کی صحبت کے ماحول کو ترجیح دی جائے، چونکہ فرد ماحول ہی کا پیداوار ہوتا ہے، اس لئے وہ جس ماحول کا حصہ بنے گا، اسی ماحول کا رنگ اس پر غالب ہوتا جائے گا۔

فرد کا زندگی کے کسی بھی مرحلہ پر صالح ماحول کا حصہ بننا

فرد کے اندر اللہ نے یہ طاقت رکھی ہے کہ وہ جب بھی چاہے، مادہ پرستی کے ماحول سے کٹ کر صالح صحبت کے ماحول کا حصہ بن سکتا ہے، اس کے لئے ہمت وحوصلہ کی ضرورت پڑتی ہے، فرد وافراد کی دونوں جہانوں کی بھلائیاں اسی سے وابستہ ہیں۔

مادی سرگرمیوں کو زندگی کا محور بنانے سے مزاج میں فساد کا برپا ہونا

یہ نکتہ سمجھنا از حد ضروری ہے کہ مادی اور معاشی سرگرمیوں کو زندگی کا محور ومرکز بنانا اور اس فکر کو سارے افکار پر غالب کرنا، یہ ایسی چیز ہے، جو مزاج میں فساد برپا کردیتی ہے اور طبیعت کو اعلیٰ روحانی وپاکیزہ مقاصد سے اچاٹ کردیتی ہے۔ یقیناً یہ تلخ حقیقت ہے کہ سرمایہ داری نظام نے جو ماحول پیدا کیا ہے، وہ خالص مادیت پرستی والا ماحول ہے، اس نے لگ بھگ ہر فرد کو ایک ہی فکر سے سرشار کر دیا ہے، وہ فکر دولت کمانے اور دنیاوی زندگی کو راحت سے بھرپور کرنے کی فکر ہے، لیکن اللہ نے افراد میں روحانیت کا جو جوہر رکھا ہے، اگر روح کی صلاحیتوں کو بیدار کرنے اور تزکیہ کی راہ اختیار کی جائے تو مادیت پرستی کی دوڑ سے آسانی سے بچا جا سکتا ہے اور مزاج کو مادیت کے زہر اور اس کے فساد سے بھی محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ مادیت کا جنون ایسی بُرائی ہے کہ اس کے بعد فرد میں جتنی بھی بُرائیاں پیدا ہوجائیں، کم ہیں، اس لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا کی محبت ساری بُرائیوں کی جڑ ہے۔

دوسری صورت میں مادیت کی جلائی ہوئی آگ میں جلتے رہنا، فاسد اور منفی جذبات واحساسات کے زیر اثر زندگی کا تلخ سے تلخ تر ہونا، بلکہ زندگی کو زہریلے اثرات سے بچانا ممکن نہیں۔

انسانیت کو مادہ پرست بنانا عالمی سرمایہ دار کی ضرورت ہے

مادیت پرستی کی تحریک اس وقت عالمگیر کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ انسانیت سے روحانیت کے جوہر کو سلب کرکے اسے مادہ پرست بنانا، یہ عالمی سرمایہ دار کی ضرورت ہے اور اس کے مقاصد میں شامل ہے۔ عالمی سرمایہ دار کے پاس دنیا کی اَسی فیصد سے زیادہ دولت کے خزانے موجود ہیں۔ وہ اس دولت کو اپنے مقاصد کے لئے پوری منصوبہ بندی سے استعمال کر رہا ہے، اس لئے کہ دولت سے مزید دولت کمانے کی صورت یہی ہے کہ انسانیت سے اس کے فطری اور روحانی تقاضے چھین کر، اسے مادہ پرست انسان بنایا جائے، تاکہ اس کی انڈسٹری، اس کی صنعت اور کاروبار کو ترقی حاصل ہو اور دنیا پر اس کی حکمرانی کا خواب مکمل طور پر پورا ہو۔

مادیت پرست تحریک سے متاثر افراد چاہے کتنے ہی مذہبی ہوں اور چاہے بظاہر کچھ مذہبی مراسم بھی بجا لاتے ہوں، لیکن وہ وجدانی، ذہنی اور عملی طور پر عالمی سرمایہ دار کی اس مادہ پرست تحریک کا حصہ ہی ہوتے ہیں۔

مادہ پرستی کی تحریک کے بڑے بڑے مراکز

مادیت پرستی کی اس تحریک کے بڑے بڑے مراکز جدید تعلیمی ادارے (جو عالمی سطح سے

لے کر دنیا کے لگ بھگ ہر ملک میں قائم ہیں) انٹرنیٹ، سوشل میڈیا، پرنٹ میڈیا، اشاعتی ادارے، سینما گھر، تفریحی پارک، قحبہ خانے، وغیرہ شامل ہیں۔

مادیت پرستی کے ان مراکز کی سب سے خطرناک اور منفی خصوصیت یا تاثیر یہ ہے کہ جو فرد بھی ان مراکز سے تعلق قائم کرے گا اور اس کے اس تعلق میں جوں جوں اضافہ ہوتا جائے گا، وہ اسی حساب سے دین ومذہب اور اس کی پاکیزہ تہذیب وتعلیمات اور پاکیزہ روحانی جذبات واحساسات سے عاری ہوتا جائے گا، اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مادیت پرستی کی عالمگیر تحریک کا حصہ بنتا جائے گا اور دین ومذہب کی روح سے دستبردار ہوتا جائے گا، ایسے افراد پر پاکیزہ اسلامی تعلیمات اور پاکیزہ روحانیت کے حوالے سے وعظ ونصیحت کی باتیں اثر انداز نہیں ہوتی۔

مادہ پرستی کے مراکز سے تعلق رکھنے والے افراد کی روحانی صلاحیتوں کا سلب ہونا

مثلاً اسلام عورت پر گھر کی ذمہ داریاں عائد کرتا ہے، خاوند کی خدمت، بچوں کی تربیت اور گھر کے معاملات کی نگہداشت، یہ کام ایسے ہیں جو عورت کی فطرت کا حصہ ہیں، جب کہ مادیت کی تحریک عورت کو ہر صورت میں مرد کے دائرہ کار میں لاکر، اسے مرد کے لئے کھلونا بنانا چاہتی ہے۔ جدید انسان اسلام کی اس تعلیم کو ناقابل عمل سمجھتا ہے۔

یا مثلاً اسلام کاروبار میں ایک خاص حد تک منافع کو جائز قرار دیتا ہے اور سود کو حرام قرار دیتا ہے، لیکن جدید انسان (جس میں صنعت کار، تاجر، ڈاکٹر، وکیل اور ٹیکنیکل ماہرین وغیرہ سب شامل ہیں) وہ اپنے کاروبار اور فنی مہارت کا معاوضہ کئی سو گنا بڑھا دیتے ہیں، جس سے دولت عام لوگوں سے چھن کر دو چار فیصد افراد تک سمٹ کر رہ جاتی ہے اور معاشرہ اقتصادی طور پر شدید ناہمواری سے دوچار ہوجاتا ہے۔

اسلام دنیا کی زندگی کو قناعت اور سادگی سے گزارنے کی تعلیم دیتا ہے، ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ جو تھوڑی روزی پر راضی رہتا ہے، اللہ اس کے تھوڑے اعمال پر راضی رہتا ہے، ایک دوسری حدیث شریف میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہلاک ہو دولت ودرہم کا بندہ اور وہ گرے اور نہ اٹھے۔

جب کہ مادیت کی تحریک کا حصہ بننے والے فرد کی زندگی کا ہدف اور اس کی شب وروز کی ساری سرگرمیوں کا مرکز ہی زیادہ سے زیادہ دولت کا حصول ہے، تاکہ مادی راحت کے سامان کی زیادہ سے زیادہ صورت پیدا ہوسکے۔ اور جذبات حرص کو فروغ حاصل ہو۔

اسلام اپنی دولت میں غریبوں اور مسکینوں کو حصہ دار بنانے کی تلقین کرتا ہے، تاکہ معاشرہ غربت کی وجہ سے فساد، ٹکراؤ اور تضادات سے دوچار نہ ہو، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا، جب تک وہ اپنے لئے جو کچھ چاہتا ہے، وہی کچھ اپنے دوسرے بھائی کے لئے نہ چاہے۔ جب کہ مادیت کی تحریک سے متاثر جدید انسان آخری حد تک خودغرضی کی بیماری میں مبتلا ہے، وہ اپنے دوسرے غریب بھائیوں کی مدد کو تاوان سمجھتا ہے۔ اس کا پڑوسی چاہے بھوکوں مرتا رہے، لیکن جدید انسان کی تعاون ومدد کی انسانی حس کسی بھی صورت میں بیدار نہیں ہو پاتی۔

اسلام مسلمانوں کو ملت واحدہ قرار دیتا ہے اور حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ جسے مسلمانوں کے مسائل سے دلچسپی نہیں وہ ہم میں سے نہیں۔ اس کے برعکس جدید انسان اپنی فکر کے علاوہ دوسرے سارے افکار سے بے نیاز ہے۔ اسے اپنے مفاد کے علاوہ دوسروں سے کوئی سروکار نہیں۔

اسلام، اسلامی تہذیب کے علاوہ دوسری تہذیبوں کے کسی بھی حصہ کو اپنانے یا اسے اچھا سمجھنے کو دائرہ اسلام سے نکل جانے جیسا گناہ کبیرہ سمجھتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جو غیروں سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ان میں شمار ہوگا، اس کے برعکس مادیت کی تحریک سے متاثر انسان مغربی تہذیب پر دل وجان سے فدا ہے، اس کی شکل وصورت میں، اس کے لباس میں، اس کی معاشرت اور اس کی طرز معیشت میں مغربی تہذیب کا رنگ غالب ہے۔

غرض کہ زندگی کے بے شمار پہلو ایسے ہیں، جس میں مادیت سے متاثر جدید انسان اسلامی تہذیب سے دور اور مغرب کے مادہ پرست انسان سے زیادہ قریب ہے۔

روح کو غذا دیئے بغیر اس کا موت کے سے حالات سے دوچار ہونا

ہمیں اپنی جدید نسلوں کو یہ نکتہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ روح کو مخلصانہ عبادت واطاعت اور ذکر وفکر کی صورت میں غذا دیئے بغیر مادیت اور مادی وسائل کے حصول کے لئے جو بھی جدوجہد ہوگی، وہ روح کو موت کے سے حالات سے دوچار کردے گی، اس لئے مادی ضروریات اور روحانی ضروریات کے درمیان کسی حد تک توازن پیدا کرنا ناگزیر ہے، یہ نکتہ ایسا اہم ہے، جو

زندگی اور موت کے سوال کی حیثیت رکھتا ہے، اہل مغرب کی نقالی میں جنس زدگی اور اپنے آپ کو پیسے کمانے کی مشین سمجھنا یا قناعت وسادگی سے زندگی گزارنے کے سلیقہ سے محروم ہونا یا دنیا کے حصول کو زندگی کا نصب العین سمجھنا، یہ دراصل مغرب کے مادہ پرست انسان کی نقالی کی روش ہے، جس کی جو سزا اہل مغرب کو مل رہی ہے، ہمارے لئے بھی اس سزا سے بچنا ممکن نہیں۔ اہل مغرب کو اس کی کیا سزا مل رہی ہے، اس کا اندازہ درج ذیل رپورٹ سے لگایا جا سکتا ہے۔

یورپ میں تنہائی کے نتیجہ میں خودکشیوں کی تفصیل

'' جرمن معاشرہ تنہائی کے عذاب میں گھر، چکا ہے، جرمنی کی وزارت سماجیات نے حکومت کو ''انسداد تنہائی کمیشن'' قائم کرنے کی سفارشات بھیج دیں۔ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق جرمنی بھر میں پچاس لاکھ سے زیادہ افراد تنہا رہتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کی عمر ۶۰ برس سے زائد ہے۔ جبکہ صرف دارالحکومت برلن میں تنہائی کا شکار ساڑھے تین ہزار افراد ہر سال دم توڑ رہے ہیں جن کی اموات کا علم اس وقت ہوتا ہے، جب ان کی لاشیں فلیٹوں، مکانوں اور دیہی رہائش گاہوں میں سڑنے لگتی ہے۔ یوں تعفن سے ان کی اموات کا پتا چلتا ہے۔ جرمن سماجی ماہرین نے بتایا ہے کہ سوشل میڈیا بھی معاشرے میں تنہائی پھیلانے کا بڑا ذریعہ ہے۔ حالانکہ ان کا نام ہی سماجی رابطہ ہے، لیکن ایسی سائٹس کی وجہ سے لوگ اپنے گھر والوں، رشتے داروں اور دیگر افراد سے رابطوں کو محدود کررہے ہیں۔ جرمن حکومت کی جانب سے سروے میں بتایا گیا ہے کہ ۴۵ برس سے ۸۵ برس تک کے افراد کی بڑی تعداد تنہائی کا عذاب جھیلتی ہے۔ لیکن اس سماجی مسئلہ سے نوجوان طبقہ بھی محفوظ نہیں دکھائی دے رہا ہے۔ کیونکہ ہر چار میں سے ایک جرمن نوجوان لڑکا یا لڑکی کا کہنا ہے کہ اسے سوسائٹی میں قبول نہیں کیا جاتا، جس کی وجہ سے وہ سماجی تنہائی کا شکار ہو چکے ہیں۔

ادھر ''یو ایس اے ٹوڈے'' کے مطابق امریکا میں ہر پانچواں نوجوان اور ہر تیسرا بوڑھا تنہائی کا شکار ہے۔ جبکہ برطانیہ میں ۹۰ لاکھ سے زائد شہری تنہائی کا شکار ہیں، جن کی مدد اور فلاح کیلئے باقاعدہ ایک وزارت گزشتہ برس قائم کی گئی ہے۔ برطانوی جریدے ''گارجین'' کا کہنا ہے کہ امریکا میں معمر افراد کے ساتھ ساتھ نوجوانوں میں بھی تنہائی کی شکایت پھیل رہی ہے اور معاشرے کا نصف حصہ تنہائی کا شکار ہو چکا ہے۔ ''یورونیوز'' کے مطابق دنیا کے خوش ترین ممالک میں شمار ہونے والے ڈنمارک، فن لینڈ، ناروے، سویڈن اور آئس لینڈ میں بھی تنہائی کا عذاب پھیل رہا ہے۔ تنہائی کے شکار افراد میں سگریٹ نوشی، شراب نوشی اور دیگر نشہ آور اشیا کا استعمال تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ ''میپینس ریسرچ انسٹیٹیوٹ'' کوپن ہیگن کے مطابق یورپی معاشروں میں تنہائی کے شکار افراد کی دس برس قبل، عمریں ساٹھ سے ۸۰ برس کے درمیان تھیں۔ لیکن اس وقت ۴۵ برس تک کی عمر والے افراد بھی تنہائی کا شکار ہورہے ہیں۔ برلن شہر کا احوال بیان کرتے ہوئے مقامی میڈیا نے بتایا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے پڑوسی ہونے کے ناطے بھی ملنا پسند کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔ انہیں اس بات کا علم ہی نہیں ہوتا کہ ان کے پڑوس میں کون رہ رہا ہے اور کس حال میں ہے؟ اگرچہ برلن سمیت پورے جرمنی میں عمر رسیدہ افراد کیلئے اولڈ ہومز قائم ہیں۔ لیکن زیادہ تر افراد اپنے گھر پر رہنا پسند کرتے ہیں اور اس طرح وہ مزید تنہائی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اس حوالے سے جرمن چانسلر انجیلا مورکل کا کہنا ہے کہ جرمن سوسائٹی میں تنہائی کا روگ سنگین کیفیت اختیار کرتا جارہا ہے، جس کی روک تھام کیلئے ''انسداد تنہائی کمیشن'' قائم کیا جائے گا، جس کے تحت رضا کاروں اور باقاعدہ تنخواہوں کے حامل افراد کی مدد سے معمر افراد کی تنہائی دور کرنے کا اہتمام کیا جائے گا۔ جرمن ہیلتھ سوسائٹی کے مطابق تنہائی کے شکار نوجوانوں میں خودکشی کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے۔ جبکہ عمر رسیدہ افراد اس کی سکت تو نہیں رکھتے کہ اپنی زندگی کا خود خاتمہ کرلیں۔ لیکن ان کیلئے تنہائی میں بیمار پڑنا اور یاسیت کا شکار ہونا ایک قسم کا ''سلو پوئزن'' ہے، جس کے نتیجے میں وہ لاغر ہوجاتے ہیں۔ جرمن سماجی ماہرین نے تنہائی کو ''عالمی وبا'' قرار دیا ہے۔ کیونکہ جرمن شہروں میں رہنے والے زیادہ تر افراد تنہا رہتے ہیں اور سماج میں رہنے والے دیگر افراد ان سے کوئی رابطہ نہیں رکھتے۔ جرمن جریدے ''ٹاگس اپسی جیل'' کا کہنا ہے کہ حکومت نے تنہائی اور یاسیت کے شکار افراد کو معاشرے میں متحرک کرنے اور ان کو سوسائٹی کے اجتماعی دھارے میں لانے کیلئے کافی کوششیں کی ہیں۔ لیکن یہ بات بھی حیران کن ہے کہ رضا کارانہ طور پر تنہا افراد کی مدد کیلئے بہت کم لوگوں نے اپنی مدد کی پیشکش کی ہے۔ ۲۰۱۸ء میں تنہائی کا شکار پانچ لاکھ افراد کی سماجی مدد کیلئے صرف ۱،۳۰۰ رضا کاروں نے اپنی خدمات پیش کیں جو انتہائی کم تھیں۔ **(روزنامہ امت اکتوبر ۲۰۱۹ء)**

یہ تجزیاتی رپورٹ بتاتی ہے کہ مغرب کے ملحد فلاسفروں، ماہروں اور مادیت پرست عالمی سرمایہ داروں نے انسانی زندگی سے دین ومذہب، اللہ ورسول، وحی وآخرت کے عقائد نکال کر

خالص مادیت کی بنیاد پر زندگی کی تشکیل کر کے اپنی ہی قوم کو دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے، جہاں مایوسی اور زندگی سے بیزاری کے علاوہ کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی۔

یہ رپورٹ ایسی ہے کہ جس پر انسانیت کی حالت زار پر دردمند فرد خون کے آنسو بہانے لگتا ہے۔

مادیت پرستی کی آگ بڑھکا کر اپنی قوم کو دردناک عذاب میں مبتلا کرنا

مغرب کی دانش اور سرمایہ دار نے مادیت پرستی کی آگ بڑھا کر اپنی قوم کو کس قدر دردناک عذاب میں مبتلا کیا ہے۔ کیا مغرب کی دانش اس وقت بیدار ہوگی، جب بیک وقت لاکھوں انسان ایک ہی جگہ خودکشی کرنے کے لئے جمع ہوں گے، کیا اتنا سنگین مسئلہ محض کمیشن بنانے سے حل ہوگا؟

موت کے سے حالات پیدا ہونے کے بحران کا پوری انسانیت کا بحران ہونا

مغرب کے انسان کا موت کے سے حالات سے دوچار ہونے کا یہ بحران محض اہل مغرب کا بحران نہیں ہے، بلکہ پوری انسانیت اس بحران کی لپیٹ میں ہے، اس لئے کہ علوم وفنون، تعلیم وتربیت، ذہن سازی، سائنسی تحقیق اور اشیائے کائنات میں موجود قدرتی قوانین کی تلاش کے کام سے اللہ کے تصور کو نکالنے اور ساری میڈیا سے ہر وقت مادیت پرستی کی روح پھونکتے رہنے کا کام مغرب ہی کی سرپرستی اور اس کی منصوبہ بندی سے ہورہا ہے۔ اس کا نتیجہ انسانیت کا مادہ پرستی کی آگ میں جلتے رہنے، احساس تنہائی واحساس بے گانگی میں اضافے اور بے شمار ذہنی ونفسیاتی بیماریوں جس کا آخر کار خودکشی تک نوبت پہنچنے کے علاوہ کوئی دوسرا نتیجہ نکل ہی نہیں سکتا۔

علوم وفنون میں توحید کے عقیدہ کو شامل کئے بغیر عقل کا بھٹکتے رہنا

جب تک عقل کو وحی کے تابع بنا کر، انسان اور کائنات کو سمجھنے اور تلاش وتحقیق کا کام نہیں ہوگا اور علوم وفنون کو خالق کائنات تک رسائی کا ذریعہ نہیں بنایا جائے گا، اس وقت تک عقل بھٹکتی رہے گی اور وہ نفسی قوتوں کی یرغمال بن کر انسانیت کو نئے نئے حادثات سے دوچار کرتی رہے گی اور اسے اپنی اصلیت سے دور سے دور تر کرتی رہے گی۔

عجیب ترین بات ہے کہ دنیا کی معمولی سی معمولی چیز کے بارے میں بھی تو یہ عقیدہ ہو کہ وہ ازخود نہیں بنی، بلکہ کسی کے بنانے سے ہی بنی ہے۔ لیکن انسان اور اتنی بڑی کائنات کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ وہ ازخود بنی ہے، اس کا کوئی خالق موجود نہیں۔ نیز زندگی محض اتفاق کے طور پر موجود میں آئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی شخصیت میں ہزارہا راز واسرار موجود ہیں، نیز اب تک انسان پر کائنات کے کروڑہا اربہا حصوں میں سے ایک معمولی حصہ آشکار ہوا ہے، جسے سائنس خود مانتی ہے۔ انسان کی تخلیق، اس کی شخصیت اور کائنات کے اتنے عظیم الشان نظام کو محض عقل وعقلیت کے ذریعہ سمجھنا اور ایمان بالغیب اور وحی کا انکار کرنا، سب سے بڑی نادانی ہے اور انسانیت کو درپیش سارے بحرانوں کا موجب ہے۔

مغرب کے دانش اور اس کے سرمایہ دار کا جرم

مادیت کو معبود قرار دے کر ہر وقت اس کی پرستش کرنا اور طاقتور ترین میڈیا اور اپنی دولت اور عسکری قوت کے ذریعہ پوری انسانیت کو مادہ پرستی کی راہ پر لانا نیز اس مقصد کے لئے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرنا، یہ مغرب کے سرمایہ دار اور مغرب کے دانش کا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس جرم کی سزا کے طور پر اگر اللہ کی طرف سے اہل مغرب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تو یہ اس کی کم سے کم سزا ہے۔

عقلیت پسندی اور حریت پسندی کے نام پر انسانیت سے اس کے شہ رگ سے زیادہ قریب اللہ کی ہستی کے عقیدہ کو سلب کرنا اور اسلام جیسی پاکیزہ تہذیب کو مٹانے کے لئے ساری توانائیوں کا استعمال ہونا، مسلمانوں کو غیر مسلم بنانے کے لئے آخری حد تک کاوشیں کرنا، یہ حریت پسندوں کے لئے ہرگز زیبا نہیں۔

جدید انسان کا اندر سے کھوکھلا ہوجانا

جدید مادی انسان کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہے، اس کا باطن ویران ہے، وہ مزاج کے خلاف باتوں اور رویے کو برداشت کرنے کے حوصلہ سے محروم ہو چکا ہے۔ جس کا نتیجہ ردعمل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ باپ بیٹوں سے نالاں رہتا ہے، بیٹا باپ سے شاکی رہتا ہے، شادیاں چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے ناکام ہورہی ہیں، دوستیوں کا نتیجہ دشمنی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، خاندانی نظام بکھر چکا ہے۔ کوئی کسی کو بڑا مان کر، اس کے تجربات ومشاہدات اور حکمت پر مبنی مشوروں کو اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں، ہوشیاری اور ذہانت کو دوسروں کو دھوکہ دینے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے، ضمیر کی قوت مردنی کا شکار ہے۔

مادیت پرستی کے حامل فرد کا اپنی ذات کا اسیر ہونا

مادیت پرستی کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے، کہ انسان اپنی ذات کا اسیر ہوکر رہ جاتا ہے، وہ جسم وجان کی راحت کے سامان کی فکر سے بلند ہونے کے لئے تیارنہیں ہوتا، اس سے انسانیت کا درد اور اس کا احساس سلب ہوجاتا ہے، اس کی ساری زندگی ذاتی مفادات کے تابع ہوتی ہے، ہر ایسا کام، جس سے ذاتی مفادات وابستہ نہ ہوں، اس سے اس کی طبعی مناسبت ختم ہوجاتی ہے۔ انسانیت کے کام نہ آنا، اس پر ترس نہ کھانا، غریب اور مفلس کو اس کی حالت زار پر رہنے دینا، یہ اس دور کے بڑے المیوں میں سے ایک المیہ ہے۔ حدیث شریف ہے کہ اللہ کی مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، جو اللہ کی مخلوق کے لئے بہتر ہے، وہ اللہ کی نظر میں بہتر ہے'' اللہ کی غریب و بے بس مخلوق کی بجائے دولت اور راحت کے ذاتی سامان اور ذاتی مفادات کی تسکین ہی کو سب کچھ سمجھنا، یہ مادیت پرستی اور مادی تہذیب ہی کا کرشمہ ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

موجودہ حالات میں علماء سے
مطلوب کردار عزیمت

اگر ہم گذشتہ چند صدیوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ صلیبی جنگوں کے خاتمہ کے بعد ایک دور ایسا گزرا، جب عیسائی دنیا پستی اور تنزلی کی دلدل میں پھنسی رہی، پھر جب اس وقت کی ترقی یافتہ قوم امت مسلمہ سے علم کی روشنی اسپین کے راستہ یورپ تک پہنچی تو مغرب نے ایک نئی کروٹ لی اور اس کی بیداری صنعتی ترقی کے اس عظیم واقعہ کی شکل میں ظاہر ہوئی، جس کا تسلسل اب تک جاری ہے۔ مغرب کی مادی اور علمی ترقی نئی نئی منزلیں فتح کررہی ہے اور مسلسل آگے کی طرف جاری ہے اور مسلمانوں کے ادبی اور علمی زوال کی داستان دراز سے دراز تر ہوتی جارہی ہے، اس ترقی کا سہارا لے کر ایک نئی صلیبی جنگ استعماریت کی شکل میں شروع ہوئی، جس نے ایشیا وافریقہ اور خاص کر عالم اسلام کے بڑے حصے کو فتح کرتے ہوئے اسے اپنی نوآبادی بنالیا، یہ استعماریت آخر اس وقت تک جاری رہی، جب تک خلافت عثمانیہ کا سقوط نہ ہوگیا اور عالم اسلام کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کامیاب نہ ہوگئی۔

اس کے بعد آہستہ آہستہ مسلم ممالک کو آزادی نصیب ہوئی، لیکن اکثر وبیشتر یہ نام نہاد آزادی تھی، ان کے گلے میں غلامی کا ایسا طوق پہنایا گیا، جو آنکھوں کو نظر نہ آئے، لیکن وہ صرف جسم ہی کی غلامی نہ ہو، بلکہ دل ودماغ کی بھی غلامی ہو، جس میں ایک قوم خود اپنے بارے میں فیصلہ کرتی ہوئی نظر آئے، لیکن اس کی حیثیت اس جہاز کی ہو جسے ریموٹ کے ذریعہ کنٹرول کیا جاتا ہے، اسی دور میں کارل مارکس نے کمیونزم کا صور پھونکا اور دنیا کے دوبڑے ممالک روس، چین اس نئے فلسفہ حیات اور نظام معیشت پر ایمان لے آئے۔

کمیونزم سرمایہ داری کے خلاف اعلان جنگ تھا، اب دنیا میں فکری اعتبار سے تین فریق بن گئے، مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام، مشرق کا اشتراکی نظام اور اسلام، اگرچہ ان دونوں نظام ہائے حیات کو اسلام سے بغض تھا، لیکن چوں کہ عالم اسلام اپنی پستی اور کمزوری کی وجہ سے کمزور

دشمن شمار کیا جاتا تھا، اس لیے اصل سرد جنگ مغربی قوتوں اور اشتراکیت کے حامل مشرقی ملکوں کے درمیان قائم رہی، اس سے ایک تو توازن قائم تھا، بغض وعناد رکھنے کے باوجود یہ دونوں بڑی طاقتیں مسلم ملکوں کو اپنا ہم نوا رکھنا چاہتی تھیں، اور چوں کہ سرمایہ دارنہ نظام کے حامل ممالک مذہب کی بالکل نفی نہیں کرتے تھے، اس لیے کمیونسٹ ملکوں کے مقابلہ میں عالم اسلام اور مسلمان مغربی قوتوں سے زیادہ قریب رہے، مغربی اقوام نے بھی یہ رویہ رکھا کہ وہ علی الاعلان کمیونزم کے خلاف تو بولتے تھے اور اپنے ذرائع ابلاغ کو بھی ان کے خلاف خوب خوب استعمال کرتے تھے، لیکن اسلام اور مسلمانوں کو براہ راست نشانہ بنانے میں کسی قدر رعایت سے کام لیتے تھے۔

کمیونزم کی بنیاد ایسے اصولوں پر تھی، جو پوری طرح فطرت سے متصادم تھے، اس لیے صرف ستر سال کے اندر ہی اس کی جائے پیدائش ہی اس کا مدفن بن گیا۔ اس نظام کا سب سے بڑا نمائندہ ملک اور دوسری سپرطاقت روس خود اپنی وحدت کو بچا نہیں سکا اور اس کے ٹکڑے ہوگئے۔ اب دنیا میں دو ہی تصورات باقی رہ گئے، ایک اسلام، دوسرے مغربی تہذیب اور مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام۔ دشمن کا مقابلہ کرنے اور کسی فکر کے تحفظ میں دو طرح کے لوگوں کا اہم کردار ہوتا ہے، ایک حکومتوں کا، جن کے پاس فوجی طاقت ہوتی ہے، جن کے پاس مادی وسائل ہوتے ہے، جو زور زمین کی مالک ہوتی ہیں، جو ٹیکنالوجی کی حامل ہوتی ہیں، اس کو وجود میں لانے اور ترقی دینے کا کام انجام دیتی ہے اور اس کے لیے وسائل فراہم کرتی ہیں، دوسرے: وہ لوگ جو اس فکر کے ترجمان اور اس کے شارح ہوتے ہیں، جو فکری اعتبار سے اس کا دفاع کرتے ہیں، جو اپنی زبان اور قلم کے ذریعہ عوام کو اس سے وابستہ رکھتے ہیں، کسی بھی فکر کی بقا اور کسی بھی نظام کے دوام واستحکام کے لیے ان دونوں طبقوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، ایک کے پاس فولاد کی طاقت ہوتی ہے، دوسرے کے پاس علم کا ہتھیار ہوتا ہے، ایک نوک شمشیر سے میدان سر کرتا ہے، دوسرا زبان وقلم سے، ایک زمین کو فتح کرتا ہے اور دوسرا دل ودماغ کو۔

چنانچہ اب مشرق ومغرب کی پوری طاقت اسلام، مسلمان اور عالم اسلام کی طرف متوجہ ہے، مسلم حکومتوں کو زیر کرنے میں انہیں کچھ زیادہ دشواری پیش نہیں آئی، کیوں کہ خلافت عثمانیہ کے ختم ہونے کے بعد پورے عالم اسلام میں کوئی ایسی طاقت باقی نہیں رہی، جو مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے، ان کو مزید کمزور کرنے کے لیے دو خصوصی تدبیریں اختیار کی گئیں، ایک یہ کہ ان کے زیادہ سے زیادہ ٹکڑے کردیے گئے، اتنے چھوٹے چھوٹے ممالک بنادیے گئے کہ بعض شہر بھی ان میں سے بعض ملکوں سے بڑے ہوں گے، اس طرح ان کی طاقت ٹوٹ گئی، قدرتی وسائل بٹ گئے، افرادی وسائل کم ہوگئے اور یہ بھی کوشش کی گئی کہ ان ملکوں کو پروانہ آزادی دیتے ہوئے سرحدوں کا اختلاف باقی رکھا جائے، اس اختلاف کے ذریعہ ان کے درمیان نفرت کا بیج بویا گیا اور اسے مسلسل پروان چڑھایا گیا۔

آج اکثر مسلم ممالک کی یہی صورتحال ہے، سعودی عرب اور کویت اور سعودی عرب اور یمن کے درمیان سرحد کا اختلاف موجود ہے، قطر اور بحرین کے درمیان جھگڑا ہے، کویت کی عراق سے اور متحدہ عرب امارات کی ایران سے لڑائی ہے، مصر اور سوڈان کے درمیان اختلاف ہے، خود سوڈان میں عرب اور غیر عرب قبائل کے درمیان نزاع ہے، فلسطین کی چھوٹی سی نامکمل حکومت کے دو حصے بنے ہوئے ہیں، شام اور ترکی کو ایک دوسرے سے بغض ہے، کرد، عراق، ترکی اور شام سے نبرد آزما ہیں، پاکستان اور افغانستان کے درمیان کدورتیں ہیں، بنگلہ دیش میں حکومت اور اپوزیشن کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہے، غرض شرق بعید کے دو تین مسلم ملکوں کو چھوڑ کر تمام ہی مسلم ممالک اپنے مسلمان پڑوسی ملکوں سے یا ملک کے اندر دو طبقے ایک دوسرے سے برسرجنگ ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ مسلم ممالک کو حقیقی جمہوریت سے دور رکھا گیا، تاکہ وہاں ایسے لوگ نہ آجائیں، جو اسلام پسند ہوں اور مغربی تہذیب کے مقابلہ میں شریعت اسلامی کو نافذ کرنا چاہتے ہوں، اسی لیے انگلی پر گنے جانے والے تین چار مسلم ممالک کو چھوڑ کر تمام ملکوں میں دو طرح کے حکمران تخت اقتدار پر مسلط ہیں، ایک وہ جو خاندانی بادشاہت کے نمائندہ ہیں، وہاں ایک خاندان کو ملک کے عوام اور اس کے وسائل کا مالک سمجھا جاتا ہے، وہ پیدائشی طور پر حکمران ہوتا ہے، اس کی زبان قانون ہوتی ہے، عوام کی نہ حکومت میں شرکت ہوتی ہے اور نہ ان کی رائے کو کوئی اہمیت دی جاتی ہے، ہاں، اگر اس حکمران کے اندر ذاتی طور پر اللہ کا خوف، دین کی عظمت اور اپنے عوام کی محبت ہے تو اس کا رویہ بہتر ہوتا ہے، لیکن چوں کہ یہ کسی نظام کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ ایک شخص کے انفرادی اخلاق واوصاف کا اثر ہے، اس لیے اس میں دوام واستمرار باقی نہیں رہتا۔

دوسری قسم کے ممالک وہ ہیں، جہاں کسی فوجی جنرل نے اقتدار پر قبضہ کیا، پھر وہ ڈکٹیٹر بن گیا اور اس کے بعد یہ ڈکٹیٹرشپ اس کی نسلوں میں منتقل ہوتی رہی، عوام کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ جمہوری طور پر ان سے نجات پاسکیں، ان کے لیے نجات کی دو ہی صورتیں ہیں: یا تو کوئی فوجی یا ظلم وستم سے عاجز شخص تشدد کے ذریعہ اس کا خاتمہ کردے، یا اللہ تعالیٰ اس کو اُٹھالیں، ان ملکوں کا حال بھی پہلی قسم کے ملکوں سے مختلف نہیں، بلکہ زیادہ بُرا ہے، ان دونوں طرح کی حکومتوں میں مغربی طاقتوں نے اپنی سازشوں کے ذریعہ اس بات کی کامیاب کوشش کی ہے کہ یہ اصحاب اقتدار ان کا کھلونا بن کر رہیں، وہ نام کے مسلمان ہوں، لیکن پوری طرح مغربی افکار، مغربی تہذیب اور مغربی طرز حیات کے نمائندہ ہوں، ان کی زبان حق بولنے سے خاموش رہے، اس کو ٹیکنالوجی سے محروم رکھ کر بنابنایا سامان فراہم کیا جائے، ان کے وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے اور پھر قرض دے کر ان پر احسان جتایا جائے، ان کے ذریعہ عوام پر ظلم وستم کیے جائیں، جو لوگ اسلام اور شریعت اسلام کا نام لیتے ہیں، انہیں دبایا جائے اور شرمناک سزائیں دی جائیں، اور اپنی عوام کے مالک ومختار ہوں اور مغربی آقاؤں کے غلام، آج کم وبیش پورا عالم اسلام اسی صورتحال سے دوچار ہے۔

اس طویل عرصے میں مغرب کی مسلسل سازشوں اور ستم انگیزیوں کے باوجود مسلم ممالک میں بھی اور مسلم اقلیتی ممالک میں بھی، جن لوگوں نے ملت اسلامیہ کو اسلام سے جوڑے رکھنے میں کامیابی حاصل کی ہے اور ان کی دینی حمیت اور ایمانی غیرت کی آگ کو بجھنے سے بچایا ہے، وہ وہی طبقہ ہے جو زبان وقلم کے ذریعہ اسلامی افکار کی ترجمانی کرتا ہے اور اخلاق ومحبت کی تلوار سے لوگوں کے دلوں کو فتح کرتا ہے، یہ طبقہ علماء اور دینی تحریکات کا ہے۔ مغرب کے استعماری دور میں ہی مسلمانوں میں اسلامی تحریکات وجود میں آنے لگیں اور انہیں فروغ حاصل ہوتا رہا، ان تحریکات کو فکر کا سرمایہ فراہم کرنے والا طبقہ علماء کا ہے، خلافت کے خاتمہ کے بعد کسی سرکاری اعانت کے بغیر اس طبقہ نے مسلمانوں کا دین سے رشتہ استوار کرنے میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ نقش لازوال ہے، ورنہ نہ معلوم کتنے مسلمان ارتداد کا شکار ہوچکے ہوتے، دہریت اور الحاد پورے پورے ملک کو اپنے قبضہ میں لے لیتی، اسلامی شعائر کے بارے میں مسلمانوں کی دینی غیرت ختم ہوچکی ہوتی اور شریعت اسلامی سے ان کا رشتہ پوری طرح ٹوٹ چکا ہوتا، جیسے عیسائی معاشرہ میں کچھ لوگ اتوار کو چرچ چلے جاتے ہیں اور جیسے ہندو سماج میں کچھ افراد مندروں میں پہنچ کر نذر ونیاز پیش کردیتے ہیں اور کچھ خاص خاص تہواروں کو دھوم دھام سے انجام دے لیتے ہیں، یہی حال مسلمانوں کا ہوگیا ہوتا، کہ ان میں جو لوگ مذہبی ہوتے وہ جمعہ اور عیدین میں شرکت کر لیتے اور کبھی کبھار مسجد چلے جاتے، ان کی عائلی زندگی، ان کی معیشت اور زندگی کے دوسرے مسائل میں شریعت کا کوئی حصہ نہ ہوتا۔

علماء نے ہمیشہ اپنی بساط بھر امت مسلمہ کو دین سے جوڑے رکھنے اور اسلام کو اللہ کی زمین پر نافذ کرنے کی کوشش کی، چوں کہ ان کی یہ کوشش، حکمران طبقہ کے عیش وعشرت کے منصوبوں میں خلل انداز ہوتی تھی، اس لیے زیادہ تر وہ اپنے اپنے عہد کے حکمرانوں کے معتوب ہی بنے رہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تو قرنِ اول میں نذرانہ شہادت پیش کردیا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کو بنو امیہ اور بنو عباس دونوں زمانوں میں حکمران شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے، دونوں حکومتوں میں انہیں کوڑوں سے مارا گیا، قید کی سزا سے بھی دوچار ہوئے، یہاں تک کہ زہر کا پیالہ پلا کر انہیں شہید کیا گیا۔ امام مالکؒ کو عباسی حکمران منصور کے زمانے میں ستر کوڑے لگائے گئے اور اس طرح ان کی مشکیں کسی گئیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گئے۔ امام احمد بن حنبلؒ عباسی حکمران مامون، معتصم اور واثق تینوں کے زمانہ میں ایسی شدید آزمائش سے گزرے کہ تاریخ عزیمت میں شاید اس کی مثال مل سکے۔

جس شخص نے امام احمدؒ پر کوڑے برسائے خود اس کا بیان ہے کہ میں نے امام احمدؒ پر اس سختی کے ساتھ اسی کوڑے برسائے کہ اگر اس طاقت کے ساتھ میں ہاتھی پر کوڑوں کی بارش کرتا تو وہ بھی چیخ اٹھتا اور یہ بارش مدتوں امام احمد بن حنبل پر ہوتی رہی، لیکن پائے استقامت میں کوئی تزلزل نہیں آیا، امام بخاریؒ کا آخری زمانہ اس حال میں گزرا کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوچکی تھی۔ سعید بن جبیرؒ کو اس طرح ذبح کر دیا گیا جیسے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے،

لیکن حجاج بن یوسف کا جبر وظلم ان کو ذرا بھی خوفزدہ نہ کر سکا۔ ابن السکیت کی حق گوئی پر عباسی خلیفہ متوکل نے ان کی زبان کھینچوالی اور زبان کے ساتھ ساتھ ان کی روح بھی پرواز کر گئی، خود برصغیر میں راہِ عزیمت میں علماء کی استقامت کی ایک وسیع تاریخ رہی ہے۔ شیخ احمد سرہندی مجددالف ثانی نے اکبر کی دین بے زاری کی خلاف علم اصلاح بلند کیا اور پھر ایک مرحلہ ایسا آیا کہ گوالیار میں قیدوبند کی صعوبتیں بھی اٹھائیں، مغل حکمرانوں کے دور میں مختلف علماء ومشائخ حق گوئی کے جرم میں شہید کردیے گئے، کسی کو قتل کردیا گیا، کسی کو ہاتھی کے قدموں تلے روند دیا گیا، کسی کو دیوار میں چن دیا گیا اور کوئی جلاوطن کر دیا گیا، ہندوستان کی جنگ آزادی جس میں علماء نے اسلام کی حفاظت کے لیے حصہ لیا، میں بے شمار علماء شہید کردیے گئے، شاملی میں بڑے بڑے علماء نے سربہ کف ہوکر برطانوی فوج کا مقابلہ کیا، لیکن کوئی چیز ان کی ثابت قدمی کو متاثر نہیں کر سکی۔

آزمائش کا ایک دوسرا رنگ بھی ہوتا ہے اور وہ ہے مال ومتاع کی لالچ دے کر کسی کو اس کی فکر سے ہٹادینا اور اس کو اس کے مشن سے روک دینا۔ امام احمد بن حنبل کے بارے میں منقول ہے کہ عباسی حکمران توکل نے جب پچھلے مظالم کی تلافی کے لیے امام احمدؒ کے پاس ۲۰ ہزار سکے بھیجے اور ایک دوسرے موقع پر ایک لاکھ درہم بھیجے تو امام احمد نے معذرت کردی اور فرمایا کہ یہ آزمائش اس آزمائش سے بڑھ کر ہے: ''ھذا امر اصعب علی من ذالک ذالک فتنتہ الدین وھذا فتنتہ الدنیا'' محدثین وفقہاء ہوں یا اکابر صوفیاء جیسے خواجہ حسن بصری، شیخ عبدالقادر جیلانی، مشائخ ہند میں خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیارکاکی، خواجہ فریدالدین گنج شکر، خواجہ نظام الدین اولیاء، شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمہم اللہ وغیرہ ان سب کے حالات دیکھیے، یہ بادشاہوں اور حکمرانوں سے اور ان کی طرف سے ملنے والے مناصب اور نذرانوں سے اس طرح بھاگتے تھے، جیسے انسان آگ سے بھاگتا ہے۔

موجودہ حالات میں مغربی طاقتوں کی کوشش یہ ہے کہ کسی طور اس طبقہ کی لگام کسی جائے، انہیں حق گوئی سے باز رکھا جائے، غلط تاویل اور جھوٹی توجیہ کے ذریعہ مغربی افکار اور لادینی تہذیب پر ان سے مہر لگوائی جائے، اور یہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ ہلاکو خان نے جب بغداد کو پوری طرح قابو میں کرلیا تو اس نے اس زمانے کے بعض نام نہاد ضمیر فروش علماء سے یہ فتوی صادر کرانے میں کامیابی حاصل کر لی کہ عادل کافر بادشاہ ظالم مسلمان بادشاہ سے بہتر ہے اور اس غلط فتوی کو اس نے اپنے لیے مہر تصدیق بنایا۔ مغرب نے اپنی اس سوچ کو روبہ عمل لانے کے لیے دوطریقہ کار اختیار کیے، ایک طریقہ ان ملکوں میں جہاں مسلمان حکمراں ہیں یا جہاں آمرانہ نظام ہے، وہاں ظلم اور دباؤ کا ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے اور حسب ضرورت کچھ ترغیب وتحریص کا۔ جو جمہوری ممالک ہیں، جہاں دستوری طور پر کسی کو اپنے ضمیر کے خلاف مجبور نہیں کیا جا سکتا، وہاں مال ومتاع اور عہدہ ومنصب کی لالچ دے کر زبان وقلم پر مہر لگانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بحیثیت مجموعی ان تمام کوششوں کا بنیادی مقصد اس طبقہ کو پست حوصلہ کرنا، ان کی زبان کو بند کرنا اور ان کی جدوجہد کو محدود کرنا ہے، جن کا بنیادی مشن اسلام کی اشاعت وحفاظت ہے اور یہ سب کچھ صرف اس حکومتِ کا منصوبہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک عالمی منصوبہ ہے جس کے تانے بانے امریکہ اور اسرائیل میں بنے گئے ہیں۔

یہ حالات عالمی سطح پر علماء ومشائخ کے لیے لمحہ فکریہ ہیں کہ کیا ان کا مقصد زندگی صرف روٹی کے ٹکڑے حاصل کرنا ہے، جس طور پر بھی حاصل ہوجائیں، یا وہ اس سے اعلیٰ وارفع مقصد کے لیے کام کررہے ہیں۔ وہ انبیاء کے وارث ہیں، جو اجرت کے لیے نہیں، اجر کے لیے کام کرتے ہیں، یا حکومت وقت کے ہر فیصلہ کے سامنے سجدہ ریز ہوجانا۔ وہ اس کائنات میں خدائی مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں یا مادیت کے پرستار۔ ان کا کام حکمت ومصلحت کے ساتھ حکومت وقت پر نکیر کرنا ہے یا ان کی ڈیوٹی حکمرانوں کے اعدائے اسلام کی سازشوں کا حصہ بننے کے باوجود ان کی تائید وتقویت ہے۔ یہ وقت ہے کہ علماء سر جوڑ کر بیٹھیں، اس مسئلہ پر غور کریں، اپنے سلف کے راستہ پر خود کو ثابت قدم رکھیں، دین کے فروغ کو اپنی متاع حیات بنانے کا عہد کریں اور اس بات کا عزم مصمم کریں کہ نہ فولاد وآہن کی طاقت اظہار حق کے معاملہ میں انہیں خوف زدہ کر سکے گی اور نہ سیم وزر کی لالچ انہیں اپنا اسیر بنا سکے گی۔

اسلام کی دعوت اشاعت کا کام

اور اس کی ضرورت

مسلمانوں کا ہمیشہ یہ یقین رہا ہے کہ اسلام اپنی خوبیوں کے باعث دنیا میں تیزی سے پھیلتا رہا ہے، اور یہ یقین کچھ بے بنیاد بھی نہیں۔ آج بھی جب کہ امریکی صدر نے جنگ صلیب وہلال کا منظر پیدا کر دیا ہے، امریکہ ویورپ میں اسلام پھیل رہا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو اس پر مطمئن نہیں ہونا چاہیے، عیسائی مشنری سرگرمیاں بھی زوروں پر ہیں اور حال ہی میں اطلاع آئی ہے کہ ان مشنریوں نے بڑی تعداد میں افغانیوں کو عیسائی بنالیا ہے۔ اس سے پہلے انڈونیشیا میں بھی مسیحی مشنریاں خاصی کامیاب رہی ہیں۔ لیکن ان مشنریوں کو ہندوستان میں مسلمانوں میں زیادہ کامیابی نہیں ہوئی، پنجاب میں انہیں کچھ کامیابی ملی ہے۔ لیکن ہندوستان میں زیادہ تر ہندوؤں کو عیسائی بنایا گیا، اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے، جس پر ہندو فرقہ پرست سخت طیش کے عالم میں ہیں، وہ گرجاؤں کو جلا رہے ہیں، پادریوں کو قتل کررہے ہیں اور راہباؤں کی عصمت دری کے واقعات ہوئے ہیں۔ اس پر بھارت دوست مغرب نے چپ سارھ رکھی ہے۔ عیسائی مشنریوں نے اگر مشرکین کو اہل کتاب بنادیا تو میرے خیال میں یہ اچھا ہی کیا، کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جن کو ہندوستانی معاشرے میں درجہ انسانیت سے گرا ہوا اور ناپاک خیال کیا جاتا تھا۔ عیسائی مشنریوں نے انہیں اس گرے ہوئے درجے سے اوپر اٹھایا اور تعلیم وتہذیب کا ایک معیار دیا، جس سے وہ ناآشنا تھے۔ یہ انسانیت کی بڑی خدمت تھی جو کہ دراصل مسلمانوں کو کرنی چاہیے تھی، وہ ہندوستان میں حکمران بھی رہے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کی طرح پست طبقات سے نفرت اور چھوت چھات کا رویہ رکھا۔ اس معاملے میں ان کے اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے رویے میں کوئی فرق نہیں تھا۔ لیکن جو کام مسلمان نہیں کر سکے وہ سات سمندر پار سے آ کر اجنبی اور غیرقوم کے لوگوں نے کر دکھایا۔ یہ ہمارے لیے سبق بھی ہے اور مثال بھی۔ ایک بار لاہور کی سڑک پر ایک دیہاتی مجھ سے مشن اسکول کا پتا پوچھنے لگا۔ پتا میں نے بتادیا مگر اُس سے پوچھا کہ ''وہاں تمہیں کیا کرنا ہے؟'' دیہاتی نے بتایا کہ ''میں تو جاہل ہوں لیکن میرے عیسائی ہونے کی وجہ سے میرا بیٹا اس مشن اسکول میں مفت تعلیم حاصل کررہا ہے اور پڑھ لکھ کر کہیں اچھی ملازمت پر بھی لگ جائے گا۔ ہماری زندگی تو جانوروں سے بدتر ہے لیکن عیسائی ہونے کے بعد ہمارے بچے اچھی زندگی حاصل کرنا چاہیں تو کرسکیں گے''۔ ہندوستان میں کئی اعلیٰ عہدوں پر ایسے لوگ پہنچے ہیں جن کے آباواجداد کے معیار آدمیت سے گرے ہوئے تھے، لیکن مسیحی مشنریوں نے ان کو ہندو برہمنوں کے برابر اور اونچے درجے پر لاکھڑا کیا۔ کاش یہ کام مسلمان کرتے..... اور انہوں نے کچھ کیا بھی، خاص طور پر ہمارے صوفیہ نے، جب کہ علما نے بھی خاصا کام کیا، لیکن بعد میں یہ یا تو آریہ سماجی پنڈتوں سے مناظرہ کرتے رہے یا مسلمانوں ہی کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے جاری کرتے رہے، اور اگر تبلیغ اسلام کے لیے یورپ گئے تو وہاں بھی الٹی فرقہ وارانہ جنگ وجدل ساتھ لے گئے، ہر ایک نے اپنی فرقہ واریت کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنادی اور یورپی اقوام کو اس فرقہ واریت کا تماشا دکھایا۔ مسلمانوں کے مقابلے میں مسیحی مشنریوں نے ہمیشہ نہایت منظّم انداز میں کام کیا، اور خدمت کے ذریعے لوگوں کے دلوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دیگر فرقوں کی طرح مسلمان بھی اپنے اعتقادات میں پکے تھے، اور مسلمانوں میں بھی اپنے مذہب سے والہانہ اور جذباتی وابستگی ایسی تھی کہ مسیحی مبلغین کی بات تک سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ غدر سے پہلے اور بعد میں بھی یہ مبلغین سڑکوں پر مجمع لگا کر اپنا پیغام سناتے تھے اور انگریز حاکم ان کے پشت پناہ تھے، لیکن وہ کامیابی حاصل نہیں کر سکے، حالانکہ ایک اچھا خاصا لٹریچر بھی انہوں نے پیدا کیا تھا جس کے ذریعے اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن مسلمان اس طرح کا لٹریچر پڑھنا ہی غلط خیال کرتے تھے، اور ہمارے علما کی تاکید تھی کہ غیرعقائد کے لوگوں کی کتابیں مت پڑھو، ان سے بحث میں نہ الجھو ورنہ تمہارا دین خطرے میں پڑ جائے گا۔ علما کی اس ہدایت پر مسلمانوں کا عمومی عمل تھا۔ لیکن اب نیا زمانہ آ گیا ہے، لوگ ہر طرح کی بات کہنے سننے کے لیے تیار ہیں، اور اسلام پر حملہ کسی ایک سمت سے نہیں ہورہا ہے، مذہب کے علاوہ سیاست، معیشت، تاریخ، تہذیب اور علمی وفکری انداز میں بھی حملے ہورہے ہیں، اور بہت سے حملے پہلے پوشیدہ انداز میں ہیں کہ بظاہر ان کا کوئی تعلق مذہب سے نظر نہیں آتا، لیکن درحقیقت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اس نئے دور میں اگر مسلمانوں نے اسلام سے صرف اپنی جذباتی وابستگی پر اکتفا کیا تو اب جذبات زیادہ کام نہیں دیں گے اور مغرب کی نئی دانش جو بھیس بدل بدل کر آرہی ہے، مسلمان کو نامسلمان بنانے کی رفتار میں مزید تیزی پیدا کرے گی، اور خدانخواستہ وہ

وقت بھی آ سکتا ہے جب اعلانیہ ارتداد ہونے لگے، اور جو کام انگریز حکمران اپنی نوآبادیاتی حیثیت اور طاقت میں نہیں کر سکے وہ اب ہونے لگے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقے کو نئی علمی، فکری اور ثقافتی یلغار کے مقابلے کے قابل بنانے کے لیے علمی وفکری کام پر بھی توجہ دی جائے، اور تبلیغ جو کہ فرضِ کفایہ ہے، امتِ مسلمہ اسے احسن طریقے پر ادا کرنے کی کوشش کرے، تاکہ مسلمانوں کو نامسلمان ہونے سے بچایا جا سکے اور غیر مسلموں کے سامنے بھی اسلام کی صحیح تصویر آئے جس سے وہ متاثر ہوں۔ مسلمان اپنے طرزِ عمل سے اسلام کے بارے میں غلط مغربی پروپیگنڈے کی تصدیق نہ کریں، خاص طور سے غیر مسلم معاشروں میں ''جہاد'' کو جس طرح خوفناک انداز سے پیش کیا جا رہا ہے اس کی اصل حقیقت واضح کی جائے۔ اگر ہم نبی اکرمؐ کی زندگی کو دیکھیں تو مکی زندگی کا سارا دور عدم تشدد کا دور رہا ہے، اور یہی حضورؐ کی دعوتِ اسلامی کا سب سے طویل دور تھا۔ جب اہل مکہ نے دعوت کو مسترد کیا اور اہل مدینہ کو خدا نے اسے قبول کرنے کی توفیق دی تو وہ مدینہ پہنچے، جہاں معاشرے کی ایمانی کیفیت یہ تھی کہ جب حضورؐ نے مواخات کا حکم دیا تو ہر انصار نے اپنے مہاجر بھائی کو مکان اور زمین سے آدھا حصہ دے دیا، حتیٰ کہ جس کی دو بیویاں تھیں اس نے اپنی ایک بیوی چھوڑ کر مہاجر بھائی کو دے دی۔ اس درجہ ایمانی معاشرے کی ضرورت اسلامی ریاست میں تھی کیونکہ افلاطون کے بقول ریاست معاشرے کا عکس ہوتی ہے اور جیسا معاشرہ ہوتا ہے ویسی حکومت معاشرے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ معاشرے کی اس نوعیت اور تشخص کو مزید ارتقا دے سکے اور اسے خراب کرنے والی چیزوں کو روک سکے۔ جب اسلام دعوت کے مرحلے سے نکل کر ریاست کے مرحلے میں آیا تو ریاست کی ضرورت صلح بھی ہوتی ہے اور جنگ بھی، اور مدینہ کی ریاست میں یہ دونوں ہی باتیں تھیں، اور صلح کے دن جنگ کے دنوں سے کہیں زیادہ تھے۔ اگر جنگوں کے دنوں کا حساب لگایا جائے تو حضورؐ کی زندگی کے صرف چند ماہ ہی جنگ کے ہوں گے، ان جنگوں میں بھی فریقین کے شہدا اور ہلاک شدگان کی مجموعی تعداد ہزاروں میں نہیں سینکڑوں میں ہی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے غلطی یہ کی کہ غیر اقوام کے سامنے دعوت کے پہلو کو بہت کم رکھا اور مسلمان فاتحین کی عام دنیوی جنگوں کی کامیابی کا بہت فخر اور طمطراق سے ذکر ہوتا رہا۔ اب ضرورت اس کی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آزادی کی تحریکیں چل رہی ہیں وہاں واقعی جہاد ہو، لیکن یہ اسلامی تعلیمات کی پابندی کے ساتھ ہو اور باقی ساری دنیا میں دعوتی کام کو ہی اصل کام سمجھا جائے۔

ڈاکٹر اختر لاہور

بڑھتی ہوئی غربت میں
ملٹی نیشنل کمپنیوں کا کردار

ملٹی نیشنل کمپنی اس کمپنی کو کہا جاتا ہے جس کا ہیڈ کوارٹر کسی ایک ملک میں ہو اور بزنس سیٹ اپ کم از کم 40 ممالک میں ہو۔ اس وقت تقریباً 12000 کمپنیاں کام کر رہی ہیں جن میں تقریباً 35 ملین لوگ کام کرتے ہیں۔ ان میں سے 500 کمپنیاں قابل ذکر ہیں۔ ان میں 414 کمپنیاں صرف تین بڑے ممالک کی ہیں۔ یعنی امریکہ کی 161، جاپان کی 128 اور یورپ کی 125۔ جس دنیا کو ہم امریکہ اور کبھی روس اور کبھی جاپان کی دنیا کہتے ہیں یہ دنیا اب ملٹی نیشنل کمپنیوں کی دنیا ہے۔ یہ کمپنیاں اتنی بڑی طاقت ہیں کہ دنیا کی باقی ساری طاقتیں سمٹ کر ان کی مٹھی میں آ جاتی ہیں۔ دنیا کے اکثر ممالک کی چھوٹی بڑی حکومتوں سے زیادہ ان کا بجٹ ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ دنیا پر دراصل یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں ہی حکومت کر رہی ہیں، یہ اپنی مرضی کے لوگ اقتدار میں لے کر آتی ہیں۔

50 مشہور ملٹی نیشنل کمپنیاں

پچاس ملٹی نیشنل کمپنیاں جو دن بہ دن ترقی کر رہی ہیں، ان میں 43 کا تعلق امریکہ سے ہے، جب کہ 3 جاپان اور ایک ایک ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ، برطانیہ اور سنگاپور کی کمپنیاں ہیں امریکی کمپنیوں میں الیکٹرانکس اور برقی آلات بنانے والی کمپنی، انشورنس، الیکٹرانکس اور برقی آلات بنانے والی کمپنی، انشورنس کمپنی پرک شائر، جنرل الیکٹرک، وال مارٹ اسٹورز، کمپیوٹر کی فرم مائیکروسافٹ، کمپنی ہوم ڈپو، دواساز کمپنی جانسن اینڈ جانس، ڈاک کمپنی فیڈیکس، بینکاری کی فرم سٹی گروپ، کمپیوٹر ہارڈ ویئر کی کمپنی انٹیل، کمپیوٹر نیٹ ورک کی کمپنی سیکوسسٹم ، دوا ساز کمپنی مرک، دواساز کمپنی بفزر، ڈاک کمپنی یونائیٹڈ پارسل سروسز، گھریلو اشیاء کی کمپنی ٹارگٹ، کاسمیٹکس کی کمپنی پراکٹر اینڈ گیمبل، مشروبات کی کمپنی پیپسی کولا، میڈیا کمپنی اے او ایل ٹائم وارنر، مشروبات کی کمپنی این ہیوزر بوشن، پٹرولیم کی مصنوعات کی کمپنی ایکسن موبائل، مشروبات کی کمپنی کوکا کولا، بینکاری کی

فرم جے پی مورگن، انشورنس کمپنی امریکی انٹیل گروپ، کمپیوٹر کمپنی ڈیل کمپیوٹر، لائف انشورنس کمپنی نارتھ ویسٹ میوچل، خوراک اور ادویات کے اسٹورز کی مالک کمپنی وال گرین، دوا ساز فرم ایلی لل، فضائی کمپنی کانٹی نینٹل ایئر لائنز، تفریحی کمپنی واٹ ڈائی، دوا ساز کمپنی برسنل میٹرز، توانائی کی کمپنی ڈیوک انرجی، کیمیکل کی کمپنی ڈیو پوائنٹ، جہاز بنانے والی کمپنی بوئنگ کارپوریشن، کاسمیٹکس کی فرم کولیکٹ پام اولیو، صنعتی آلات بنانے کی فرم کیٹر پلر، کمپیوٹر کے آلات بنانے والا ادارہ سن مائیکروسسٹم، ٹیلی کمیونیکیشن کا ادارہ ایف بی سی کمیونٹی کیشنز، کمپیوٹر سے متعلق فرم آرٹیکل، صنعتی آلات بنانے والا ادارہ سن مائیکروسسٹم، ٹیلی کمیونیکیشن کا ادارہ ایف بی سی کمیونٹی کیشنز، کمپیوٹر سے متعلق فرم آرٹیکل، صنعتی آلات بنانے والا ادارہ ڈیئر، فولاد کی کمپنی الکوا، گاڑیاں بنانے کی فرم فورڈ موٹر، ٹیلی کمیونی کیشن کی فرم بیل ساؤتھ، خوراک اور ادویات کے سٹور کی چین کروگر اور آلات بنانے والی فرم ٹیکساس انسٹرومنشن شامل ہیں۔ اس کے علاوہ غیر امریکی فرم فن لینڈ کی نوکیا، جاپان کی ٹیوٹا، سونی اور ہنڈا موٹرز، سوئٹزر لینڈ کی نیسلے، برطانیہ کی بی پی اور سنگاپور کی سنگاپور ایئر لائنز شامل ہیں۔ یہ 50 کمپنیاں آنے والے دنوں میں 500 بڑی کمپنیوں کو کھا جائیں گی۔ یہ اس وقت دنیا کی 70 سے 75 فیصد دولت کی مالک ہیں۔

یورپ کی 25 بڑی کمپنیاں

یورپ کی 25 بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں میں جرمنی کی کمپنی ٹیملر کریسلر پہلے نمبر پر ہے۔ دوسرے نمبر پر برطانوی کمپنی رائنک ڈچ شیل گروپ ہے، تیسری کمپنی بی پی برطانیہ کے کمپنی ہے، چوتھے نمبر پر فرانس کی کمپنی ٹوٹل، پانچویں نمبر پر بھی فرانس کی کمپنی اے ایکس اے، چھٹے نمبر پر جرمی کی کمپنی والکس ویگن، ساتویں نمبر پر جرمنی کی کمپنی سیمنز، آٹھویں نمبر پر نیدر لینڈ کی انگ گروپ، نویں نمبر پر جرمنی کی کمپنی ای آنا، دسویں نمبر پر جرمنی کی ہی کمپنی ڈوچے بینک، گیارہویں نمبر پر برطانیہ کی سی جی این یو اور بارہویں نمبر پر فرانس کی کمپنی کیئرفور، تیرہویں نمبر پر سوئٹزر لینڈ کی کریڈٹ سوئس، 14 ویں نمبر پر فرانس کی کمپنی بی این پی باربس، 15 ویں نمبر پر اٹلی کی کمپنی Assicurazioni 16ویں نمبر اٹلی کی فیٹ، 17 ویں نمبر پر برطانیہ کی ایچ ایس بی سی ہولڈنگ ہے، 18 ویں نمبر پر نیدر لینڈر کی Comink - Ligke - ahocd 19 ویں نمبر پر کی کمپنی سوئٹزرلیند کی نیسلے، 20 ویں نمبر پر سوئٹزر لینڈ کی یوبی ایس، 21 ویں نمبر پر اٹلی کی ای این آئی، 22 ویں نمبر پر برطانیہ کی یونی لیور، 23 ویں نمبر پر بیلجیئم کی فورٹس اور 24 ویں نمبر پر نیدر لینڈ کی اے بی این ایمرو۔

ایشیا کی 25 بڑی کمپنیاں:

ایشیا کی 25 بڑی کمپنیوں میں سے 21 کا مالک جاپان ہے، جبکہ 3 چین اور ایک جنوبی کوریا کے پاس ہے۔ ایشیا کی 25 بڑی کمپنیوں میں جاپان کی مٹسوبشی پہلے نمبر پر ہے، ٹیوٹا موٹرز، مٹسوئی اٹیشو، جویپون ٹیلی گراف اینڈ ٹیلی فون، سومی ٹومو، ماروبنی، ہٹاچی، مٹسوشینا، الیکٹرک، فی پون لائٹ انشورنس، سونی، Nisshoiwal ہونڈا موٹرز، نسان موٹرز، توشیبا، می زوہو ہولڈنگ، فیوجی ٹاسو، این ای سی، ٹوکیو الیکٹرک پاور، ڈائی اچی میوچل، چین کی سینوپک، چین کی اسٹیٹ پاور، چین کی چائنا نیشنل پٹرولیم، جنوبی کوریا کی سام سنگ الیکٹرانکس۔ ان میں سب سے غریب کمپنی سومی ٹو لائف ہے جو 37 ہزار 5 سو35 ملین ڈالر کے اثاثہ جات کی مالک ہے۔ یہ اثاثہ پاکستان کے کل بجٹ سے تین گنا زیادہ ہے۔

ملٹی نیشنل کمپنیاں اور مسلم ممالک:

دنیا میں اس وقت تیل پیدا کرنے والے بڑے ممالک میں الجیریا، انڈونیشیا، ایران، عراق، کویت، لیبیا، نائیجیریا، قطر، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور وینزویلا شامل ہیں۔ ان گیارہ میں سے دس مسلم اور ایک غیر مسلم ملک وینزویلا ہے۔ سعودی عرب کے پاس 2 لاکھ 62 ہزار 7 سو 84 ملین بیرل خام تیل کے ذخائر ہیں جب کہ 6 ہزار 1 سو 46 بلین کیوبک میٹر قدرتی گیس ہے۔ وہ روزانہ 7 ہزار 5 سو 84 بیرل تیل اور 46 ہزار 2 سو بلین کیوبک گیس نکالتا ہے۔ سعودی عرب ہر سال 44 ہزار 9 سو 34 ملین ڈالر کا تیل فروخت کرتا ہے۔

سعودی عرب کے بعد تیل کا سب سے بڑا ذخیرہ عراق میں ہے جہاں ایک لاکھ 12 ہزار 5 سو ملین بیرل تیل اور 3 ہزار ایک سو 88 ملین کیوبک میٹر گیس ہے۔ ایران کے پاس 93 ہزار ایک سو ملین بیرل تیل اور 2 2 ہزار 3 سو 0 7 بلین کیوبک میٹر گیس ہے۔ لیبیا کے پاس 29 ہزار 5 سو ملین بیرل تیل اور ایک ہزار 3 سو 15 بلین کیوبک میٹر گیس ہے۔ الجیریا کے پاس

11ہزار 3سو 11ملین بیرل تیل اور4ہزار5سو 23بلین کیوبک میٹر گیس، نائیجیریا 22ہزار 5سو بلین بیرل تیل اور3ہزار5سو10بلین کیوبک میٹر گیس، انڈونیشیا 4ہزار9سو 80ملین بیرل تیل اور4ہزار4سو 80بلین کیوبک میٹر گیس اور وینزویلا میں 76ہزار8سو 84ملین بیرل تیل اور 4ہزار ایک سو 52بلین کیوبک میٹر گیس ہے۔

مسلم ممالک کے ساتھ معاندانہ رویہ:

دنیا میں سب سے زیادہ تیل پیدا کرنے والے مسلمان ممالک میں لیکن ملٹی نیشنل کمپنیوں میں یورپ کی اجارہ داری کی وجہ سے ایک بھی ملٹی نیشنل کمپنی کسی مسلمان ملک کی نہیں ہے۔ وینزویلا جو ایک غیر مسلم ملک ہے، دنیا کی 5 سو بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں میں شامل ہے۔ اس فہرست میں بیس سے زیادہ امریکی کمپنیاں ایسی ہیں جو مسلمان ممالک سے تیل لے کر فروخت کرتی ہیں۔ اس خرید وفروخت سے ان کے اثاثہ جات کی مالیت 2 لاکھ 10 ہزار 3 سو 92 ملین ڈالر ہوچکی ہے جو سعودی عرب کی پانچ برس کی تیل کی کل فروخت کے برابر ہے۔ اس کے برعکس وینزویلا مسلم ممالک کے مقابلے میں بہت کم تیل نکالتا ہے لیکن غیر مسلم ریاست ہونے کے باعث نہ صرف وہاں آئل کمپنی بن گئی ہے بلکہ اسے دنیا کی بڑی کمپنیوں میں بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ مسلمان ممالک کے ساتھ معاندانہ رویہ کی یہ ایک بڑی مثال ہے۔

تین بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں

ملٹی نیشنل کمپنیوں کی دنیا میں تین بڑے نام جو اس وقت دنیا میں چھائے ہوئے ہیں ان میں پہلے نمبر پر کوکا کولا ہے جس کا آغاز 1886ء میں ہوا، 1960ء میں فانٹا اور اسپرائٹ بھی اس کمپنی کی ملکیت میں آ گئیں۔ یہ کمپنی بھارت میں لمکا (Limca) کے نام سے اپنا مشروب فروخت کرتی ہے، 2 سو ممالک کے اندر اس کا کاروبار پھیلا ہوا ہے۔ گزشتہ سال کمپنی کی مصنوعات کی فروخت کا اندازہ 46 ارب ڈالر لگایا گیا ہے۔ دوسرے نمبر پر بڑی کمپنی مکیڈونلڈ ہے جس کے دنیا کے 120 سے زائد ممالک میں 27000 سے زائد ریسٹورنٹ کام کر رہے ہیں۔ اس کمپنی نے 1955ء میں آغاز کیا اور دنیا کے ہر حصے میں ریستوران قائم کیے جا رہے ہیں جہاں روزانہ تقریباً چار کروڑ لوگ فاسٹ فوڈ سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس کمپنی کے تحت ایک یونیورسٹی کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے جس سے پچاس ہزار طلبہ اب تک ہیمبر گرالوجی میں گریجویشن کر چکے ہیں اور مختلف ممالک میں یہ یونیورسٹی کورسز کرواتی ہے۔ تیسرے نمبر پر والٹ ڈزنی کمپنی ہے جو کہ ABC ٹیلی ویژن نیٹ ورک اور ABC ریڈیو نیٹ ورک کی مالک ہے جس کے تحت فلموں کے علاوہ کتب کی اشاعت، جرائد اور پارک ڈزنی ورلڈری سارٹ فلور، ڈزنی لینڈر کیلی فورنیا، پیرس اور ٹوکیو چلاتی ہے۔ ان تینوں کمپنیوں کا باہمی تعاون بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ میکڈونلڈ ریسٹورنٹ پر کبھی پیپسی کولا نہیں ملے گی بلکہ کوکا کولا ہی ملے گی۔ اسی طرح ڈزنی لینڈ اور پیرس میں یہی مشروب فروخت ہوتا ہے۔ ان تینوں کمپنیوں کا مجموعی سرمایہ 265 ارب ڈالر سے زائد ہے۔

مسلم دنیا 96 لاکھ ڈالر روزانہ اسرائیل کو دیتی ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان سگریٹ اور کولڈ ڈرنگ کی مد میں روزانہ 96 لاکھ ڈالر اسرائیل کو ادا کر رہے ہیں۔ یہ بات امریکی سی آئی اے کی جاری کردہ رپورٹ میں بتائی گئی جو سی آئی اے کی انٹرنیٹ پر ویب سائٹ پر موجود ہے۔ رپورٹ کے مطابق دنیا کی ساڑھے سات ارب آبادی میں مسلمانوں کی آبادی دو ارب کے قریب ہے جن میں 40 کروڑ سگریٹ نوشی کے عادی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق دنیا کی سب سے بڑی سگریٹ ساز کمپنی فلپس مورس ہے جس کے مالک یہودی ہیں۔ کمپنی منافع کا 12 فیصد اسرائیل کو بطور عطیہ دیتی ہے۔ یوں مسلم دنیا سے 800 ملین ڈالر روزانہ فلپس مورس کو جاتے ہیں جس میں کمپنی کا اوسطاً منافع دس فیصد یعنی 80 ملین ڈالرز روزانہ کا ہے، اس 12 فیصد کے حساب سے 9.6 ملین ڈالر یعنی 96 لاکھ ڈالر روزانہ مسلمان صرف سگریٹ نوشی کی مد میں اسرائیل کو ادا کر رہے ہیں، اس کے علاوہ کولڈ ڈرنک کی مد میں روزانہ لاکھوں ڈالر اسرائیل کو مل رہے ہیں۔

جاہلیت کے غلاف میں
ہونے والی ترقی
عقلمندی کا تقاضا

موجودہ دور بہت عجیب وغریب دور ہے، اس دور میں عقل کا خوب چرچا ہے مگر بے عقلی کی باتیں زیادہ ہیں، اس زمانہ میں لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ہر شخص عقلمند ہے، یہاں تک کہ اس دور کے بچے بھی ایسی باتیں کرتے ہیں اور ایسے سوالات کرتے ہیں جن سے خود بڑے پریشان ہیں کہ ایک چھوٹا بچہ یہ باتیں کیسے پوچھ رہا ہے؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس دور کے بڑے اتنی بے عقلی کررہے ہیں، معلوم ہوتا ہے ان کو جو عقل بچپن میں ملی تھی وہ بھی کھو چکے ہیں، اس ناحیہ سے دیکھا جائے تو یہ دور واقعی بہت عجیب وغریب دور ہے، ایک طرف ظاہر میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، لیکن پڑھے لکھے ہوکر جہالت میں مبتلا تعداد بھی اتنی ہی ہے، جس کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ عقلمندی میں حماقت ہے اور پڑھے لکھے ہوکر جاہل ہیں، اور یہ کام بڑا نازک ہے کہ عقلمند اور پڑھے لکھے شخص کی جہالت کو دور کیا جائے، تاریخ میں ایسے بہت سے بادشاہ گذرے ہیں جن کے متعلق تاریخ نویسوں نے لکھا ہے، **"العاقل المجنون"** یعنی وہ عقلمند کی باتیں کرتے تھے مگر بعض اوقات ایسے کام کرتے تھے، جن سے ان کا پاگل ہونا ظاہر ہوتا تھا، اسی طرح اس زمانہ میں بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اپنی ذاتی زندگی کی بات کرتے ہوئے عقلمندی نظر آتے ہیں، لیکن جب وہی لوگ انسانی سطح پر سماج میں بات کرتے ہیں تو بالکل بے عقل معلوم ہوتے ہیں۔

عقل کا صحیح استعمال بہت ضروری ہے، اس کا حق یہ ہے کہ اس کو بند کرکے نہ رکھا جائے اور غلط استعمال نہ کیا جائے، ورنہ آج کل ایسا ماحول بنایا جارہا ہے کہ آپ عقل کا صحیح استعمال نہ کرسکیں، گویا اس وقت پوری دنیا میں یہ (Brain washing) برین واشنگ ہورہی ہے کہ عقل کو ایسا بنادو کہ سوچنے کی صلاحیت ہی نہ رہ جائے، اس لیے ہم میں سے ہر ایک کو بہت ہوشیار رہنا چاہیے، اور ہر جگہ اپنی عقل کو صحیح طور پر استعمال کرنا چاہیے، کیونکہ اگر کوئی چیز استعمال نہیں کی جاتی تو اس کا نفع ختم ہوجاتا ہے، لیکن عقل کے استعمال میں یہ خیال ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ استعمال برمحل ہو، ورنہ بسا اوقات غیرمحل پر عقل استعمال کرنے کا نتیجہ بھی بڑا سنگین ہوتا ہے۔

موجودہ دور میں بے عقل باتوں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہا جائے کہ کوا کان لے گیا اور تمام لوگ اس کوے کے پیچھے پڑجائیں، اور اپنے کان پر ہاتھ پھیر کر نہ دیکھیں، تاکہ پتہ چل سکے کہ کان ہے یا واقعتہ کوا لے گیا، ٹھیک یہی صورت حال آج ہمارے معاشرہ کی ہوگئی ہے، نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر اخبار میں کوئی بے بنیاد خبر اچھے قالب میں چھپ جائے تو تمام لوگ اسی پر اعتماد کرلیتے ہیں، اور حقیقت سے باخبر ہونے کی فکر نہیں کرتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مواقع کے لیے عقل کی نعمت عطا کی ہے، تاکہ آدمی اپنی عقل استعمال کرکے صورتحال کا صحیح اندازہ لگا سکے۔

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ انسانی سماج میں تعلیم کا جذبہ ہونا بہت ضروری چیز ہے، واقعہ یہ ہے کہ تعلیم ایک نور ہے جس سے معاشرہ میں روشنی پھیلتی ہے، اگر کوئی شخص اس حقیقت کا انکار کرتا ہے تو ظاہر ہے وہ بے عقلی کا ثبوت دیتا ہے، لیکن اس تعلیم کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کے اوپر غلاف نہ چڑھایا جائے، یعنی اس کی روشنی کو بند کرکے عام نہ کیا جائے، بلکہ اس کی روشنی کو کھلا رکھا جائے، موجودہ دور میں تعلیم کا دور دورہ ہونے کے باوجود بھی تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے بے عقلی کی باتیں سامنے آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کی تعلیم پر ایک غلاف چڑھا ہے، جس کی وجہ سے تعلیم کی روشنی سماج میں نظر نہیں آرہی ہے اور لوگ تاریکی کی طرف بڑھتے جارہے ہیں، اور بسا اوقات اس سلسلہ میں ایسے نمونے سامنے آتے ہیں، جن کو دیکھ کر ایک جاہل بھی پناہ مانگے، بطور مثال ڈاکٹری شعبہ کو لے لیا جائے جو کہ انسانیت کی خدمت کا بہت اچھا طریقہ ہے، لیکن آج اس شعبہ کی عمومی صورتحال ایسی ہوگئی ہے جس کا انسانیت سے کوئی تعلق نہیں

ہے، کتنے ایسے سنگ دل ڈاکٹر ہیں جو پریشان حال مریضوں کے گردے ٹھیک کرنے کے بجائے نکال ہی لیتے ہیں، اس سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ گرچہ اس زمانہ میں لوگ پڑھ لکھ گئے ہیں اور یہ زمانہ ترقی کا ہے، لیکن یہ پڑھائی لکھائے اور ترقی درحقیقت جاہلیت کے غلاف میں ہے، اور ظاہر ہے جب پڑھا لکھا آدمی بگڑنے پر آتا ہے تو وہ شیطان کے بھی کان کاٹتا ہے۔

اس لیے تعلیم کے میدان میں انسانیت کی خدمت پیش نظر رکھنا چاہیے، اور یہ سمجھنا چاہیے کہ ہماری پڑھائی لکھائی کا مقصد صرف حصول زر نہیں ہے، اگر صرف دولت کمانا ہی مقصد ہوتا تو بغیر پڑھے لکھے بھی اس مقصد میں کامیابی ممکن تھی، لیکن ہماری تعلیم کا مقصد دراصل انسانیت کی بے لوث خدمت ہے اور دوسروں کی راحت وسکون ہے، واقعہ یہ ہے کہ اگر ہماری ذہنیت ایسی بن جائے تو تڑپتی انسانیت کو سکون نصیب ہوجائے، آج ہر شخص پریشان ہے، اور ہر شخص کو یہ شکوہ ہے کہ ڈاکٹروں کی نگاہ لوگوں کی جیب پر ہوتی ہے، ان کو خدمت خلق سے کوئی مطلب نہیں ہوتا ہے، ان کا مقصود علاج کرنا نہیں، بلکہ دولت بٹورنا ہے، اور اسی طرح جو لوگ سرکاری آفسوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، وہاں پر لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ یہاں کے افسران اصلاً لوگوں کا کام کرنے کے لیے نہیں بیٹھے ہیں، بلکہ لوگوں کی بھاری بھاری رقمیں ہڑپنے کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان افسران کی نظر لوگوں کی پریشانیوں پر نہیں ہوتی ہے، بلکہ ان کی نگاہ ان کی جیب پر ٹکی رہتی ہے۔

اگر دنیا کا عمومی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ واقعی آج پڑھنا لکھنا بہت ہوگیا ہے، اور اس وقت اتنے کالج ہیں کہ شاید دنیا کی تاریخ میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک اتنے کالج نہ ہوئے ہوں، لیکن اس کے باوجود اس زمانہ میں انسانیت کے خلاف اتنا کام ہورہا ہے اور اتنی جہالت پھیل رہی ہے، جو شاید حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک اتنی نہ پھیلی ہو، بس فرق اتنا ہے کہ اب جہالت پڑھی لکھی ہے، پہلے جہالت خالص جہالت تھی، لیکن اب up to date جہالت ہے، ظاہر میں عمدہ لباس ہے اور پڑھا لکھا آدمی ہے لیکن اندر سے ڈاکو ہے، یایوں کہہ لیں کہ اندر سے چیتا یا سانپ ہے۔

تعلیمی میدان میں ایک بات یہ بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ ہم جو تعلیم نئی نسل کو دے رہے ہیں، اس کی تاثیر کیا ہے؟ اس دور کا یہ بھی ایک المیہ ہے کہ آج کالجوں میں جو تعلیم دی جارہی ہے، اور جو باتیں سکھائی جارہی ہیں، وہ تعلیم نہیں بلکہ درحقیقت ایک زہر ہے، جس سے پوری انسانیت زہر آلود ہوتی جارہی ہے۔

عقلمندی کا ایک دوسرا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے معاشرہ کی اصلاح کی فکر کریں، آج سماج میں ایسی بے شمار خواتین ہیں جن کو جلایا جارہا ہے، اسی طرح نہ جانے کتنے ایسے بوڑھے ماں باپ ہیں جن کو انہیں کے گھروں سے دھکے دے کر نکالا جارہا ہے، اگر غور کیا جائے تو اس گندے ماحول کی بھی بنیادی وجہ یہی ہے کہ تعلیم کے پھل کڑوے نکل رہے ہیں، اور عقل کو اس کے غیر محل پر استعمال کیا جارہا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مغربی تہذیب حددرجہ محبوب ہوگئی ہی، آج حال یہ ہوگیا ہے کہ لوگ مغربی تہذیب پر ایسا نچھاور ہیں کہ اپنے ملک کی تہذیب کو فراموش کرنے پر راضی ہیں، جب کہ خود مغربی اقوام کا حال یہ ہے کہ وہ خود اپنی تہذیب سے پریشان ہیں۔

اس وقت پوری دنیا حقیقی امن وسکون کی تلاش میں ہے، ہر کسی کی خواہش ہے کہ وہ خوشی کی زندگی بسر کرے، لیکن افسوس کی بات ہے کہ آج انسان کے دل کی خوشی ختم ہوگئی ہے، اور یہ طے ہے کہ جب تک دل خوش نہیں ہوگا، اس وقت تک کسی بھی چیز میں مزا حاصل نہیں ہوسکتا، اسی لیے کتنے ایسے لوگ ہیں جن کے پاس پیسے کی بے انتہا دولت ہے، مگر ان کو حقیقی سکون میسر نہیں ہے، جب کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ کسی بھی طرح ان کو سکون نصیب ہوجائے، لہٰذا ایسے حالات میں دانشور طبقہ کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ تعلیمی میدان میں اصلاح کی کوشش کرے، انسانیت کی خدمت کے جذبہ کو فروغ دے اور دنیا کو حقیقی امن وسکون سے آشنا کرائے، جب لوگوں کو یہ حقیقی سکون نصیب ہوگا تو معاشرہ سے وہ تمام متعفن چیزیں خود بخود دور ہوجائیں گی، جن سے آج ہر انسان کڑھن محسوس کررہا ہے۔

رشد و ہدایت کے درخشاں ستارے

کچھ نمونے آج قارئین کی خدمت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اور کچھ انہیں اصحاب رسول ﷺ کی اقتداء کرنے والے تابعین عظام کے، کیسی تھی ان کی زندگی؟ کیا تھے ان کے حالات؟ کتنا تھا ان کے یہاں اہتمام عبادتوں کا؟ کتنا تھا خیال ان کو سنتوں کو اپنانے کا؟ کتنی تھی فکر ان کو آخرت کی؟ اور کیا حیثیت تھی ان کی نظروں میں دنیا کی؟!

احتیاط کا ان کے کیا عالم تھا؟ رضائے الٰہی کا شوق ان پر کتنا غالب تھا؟ صبر ان کا کس پایہ کا تھا؟ وعدۂ خداوندی پر انہیں کتنا یقین تھا؟ اجر وثواب کے حصول کا جذبہ ان پر کتنا طاری تھا؟

دل ان کے کتنے صاف تھے؟ زبان ان کی کتنی پاک تھی؟ عزائم ان کے کتنے بلند تھے؟ خیالات ان کے کتنے اعلیٰ تھے؟ زندگی ان کی کتنی سادہ تھی؟ نظریں ان کی کتنی پاکیزہ تھیں؟ آخرت کی فکر ان پر کتنی غالب تھی؟ دنیا کا خوف ان پر کتنا طاری تھا؟ اخلاق کا ان کے کیا عالم تھا؟ نیتوں کا ان کی کیا معیار تھا؟

بزرگوں کی بزرگی اپنی جگہ، اولیاء کی ولایت کا اپنا مرتبہ، اور صحابیت کا شرف تو اس کا کہنا ہی کیا، دیکھئے زبان نبوت ان کے بارے میں کیا کہتی ہے: ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔''

''میں نہیں جانتا کہ اب کتنی مدت مجھ کو تمہارے درمیان رہنا ہے، چنانچہ میرے جانے کے بعد میرے بعد آنے والوں کی اقتداء کرنا (اور آپ ﷺ نے یہ کہتے ہوئے اشارہ فرمایا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی طرف) اور عمار بن یاسرؓ کے راستہ پر چلنا اور عبداللہ بن مسعودؓ جو کچھ تم سے کہیں اس پر یقین کرنا۔

آیئے! اب دیکھیں کتاب الٰہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا کہتی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

۱۔ **"ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ"** (سورۃ الحشر: آیت نمبر ۹) (وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں، ان کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کا نقصان ہی کیوں نہ ہو)۔

ایثار وقربانی کے ایک دونمونے ملاحظہ ہوں:

اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے! اے اللہ کے رسول ﷺ بھوک لگی ہے، رات کا وقت ہے، آپ ﷺ اپنی ازواج کے پاس پوچھواتے ہیں کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملتا ہے: کچھ بھی نہیں ہے، آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: آج کی رات اس کی مہمان نوازی کون کرے گا؟ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں کروں گا، گھر لے جاتے ہیں، کھانا اتنا مختصر کہ خود کھالیں یا مہمان کو کھلا دیں، بیوی سے کہتے ہیں، بچوں کو کسی طرح سلادو، اور چراغ گل کرکے کھانا مہمان کے آگے لگادو، بیٹھیں گے ہم بھی لیکن کھانے کے لیے نہیں صرف یہ تاثر دینے کے لیے کہ کھانے میں ہم بھی شریک ہیں، کھانا کم ہے اگر ہم بھی شریک ہوگئے تو مہمان کا پیٹ نہیں بھر پائے گا، چراغ گل کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ مہمان شکم سیر ہوکر کھائے گا اور اسے یہ احساس نہیں ہو پائے گا کہ ہم نے کھانا نہیں کھایا۔ (صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیمار ہیں، انگور کھانے کی خواہش ہوتی ہے ایک درہم میں انگور کا ایک خوشہ خرید کر لایا جاتا ہے، ہاتھ میں وہ خوشہ آ بھی نہیں پاتا کہ ایک سائل آ پہنچتا ہے، حکم ہوتا ہے کہ انگور کا وہ خوشہ اس سائل کو دے دیا جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما روزہ سے ہیں، گھر میں صرف ایک روٹی ہے جو افطار کے لیے بچا کر رکھی گئی ہے، دروازہ پر سائل صدا لگاتا ہے، خادمہ کو حکم ہوتا ہے کہ روٹی اس کو دیدی جائے، خادمہ نے عرض کیا کہ آپ روزہ سے ہیں، سحری بھی بہت مختصر تھی، بغیر افطار کے آپ رات کیسے گذاریں گی، حکم ہوتا ہے پھر بھی دیدو۔

۲۔ **"تتجافی جنوبھم عن المضاجع"** (ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نمونہ ملاحظہ ہو، ضرار بن ضمرہ کہتے ہیں، رات کا اندھیرا پوری طرح پھیل چکا تھا، آسمان پر چمکتے ستارے بھی اپنے چہرے پر سیاہ نقاب ڈال چکے تھے میں

نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کی محراب میں کھڑے تڑپ رہے ہیں، بلک بلک کے رو رہے ہیں، گڑگڑا گڑا کر دعائیں مانگ رہے ہیں اور دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں، اے دنیا میں تجھ کو تین طلاق دیں، تعلقات کی بحالی کا اب کوئی امکان نہیں، عمر تیری بہت مختصر، زندگی تیری نہایت حقیر اور خطرہ تیرا بہت بڑا، آہ، سفر کتنا طویل ہے، راستہ کتنا ویران ہے، اور زادسفر کتنا مختصر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، کون ہیں؟ آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں، چہیتے داماد ہیں، ایمان لانے والے خوش نصیب بچوں کی فہرست میں سب سے اوپر آپ کا نام ہے، لیکن حال پھر بھی یہ ہے کہ رات کے اندھیرے میں، مسجد کے ایک گوشہ میں تنہائی کی حالت میں رب کریم کے سامنے گریہ وزاری کا یہ عالم ہے کہ سننے والے کا دل پھٹا جاتا ہے۔

۳۔ **"اشداء علی الکفار"** (وہ کفار کے مقابلہ میں سخت ہیں)۔

کفار کے مقابلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سخت ہونا ہر ہر موقع پر ثابت ہوتا رہا ہے، صلح حدیبیہ کے موقع پر تو خصوصیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس صفت کا اظہار ہوا، باقی اس کی سب سے اعلیٰ مثال تو اس موقع پر سامنے آتی ہے جب بدر کے قیدیوں کا معاملہ صحابہ کرامؓ کے سامنے لایا جاتا ہے، حضور ﷺ تشریف فرما ہیں، رائے کے اظہار کا سب کو موقع دیا جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جب باری آتی ہے تو وہ کہتے ہیں، حضور! آپ مجھے اجازت دیں کہ ان قیدیوں میں اپنے سب سے قریبی رشتہ دار کا سر اپنی تلوار سے قلم کروں، حضرت علیؓ کو حکم دیں کہ وہ اپنے بھائی عقیل بن ابی طالب کا سرتن سے جدا کریں، حضرت حمزہؓ کو اشارہ کریں کہ وہ ان قیدیوں میں سے اپنی بھائی کے خون سے اپنی تلوار کی پیاس بجھائیں۔

۴۔ **"رحما بینھم"** (وہ آپس میں بڑے مہربان ہیں)۔

انصار ومہاجرین کے درمیان ہوئی مواخاۃ **"رحماء بینھم"** کا جیتا جاگتا ثبوت ہے، انصار نے اپنی ہر چیز میں مہاجرین کو شریک ہونے کی دعوت دی، مکان میں ان کو شریک کیا، جائداد میں ان کو حصہ دار بنایا، کاروبار میں ان کو شامل کیا، یہاں تک کہ جن کے پاس ایک سے زائد بیویاں تھیں انہوں نے مہاجرین کے سامنے یہ پیشکش رکھی کہ اگر وہ ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرنا چاہیں تو ان کی خاطر وہ اپنی اس بیوی کو طلاق دے سکتے ہیں، تاکہ وہ اس سے نکاح کر سکیں، اور یہ سب انہوں نے صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر کیا۔

عبادات کا اہتمام دیکھئے

نماز کا وقت ہے کسی وجہ سے نماز میں تاخیر ہوگئی تو اس کی سزا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس کو اس طرح دی کہ دو لاکھ درہم کا ایک باغ جو انہیں بہت عزیز تھا، صدقہ کر دیا۔

ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ بھی ایک مرتبہ اسی طرح کا واقعہ پیش آیا تو انہوں نے اس کی تلافی کی شکل یہ نکالی کہ اس دن پوری رات نماز پڑھتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے ہیں، باغ اتنا گھنا کہ دن میں بھی رات کا گمان، ایک چڑیا نہ جانے کیسے اندر آ گئی اور ایسی پھنسی کہ پھڑ پھڑاتی رہی لیکن نکل نہ سکی، چڑیا کے پھڑ پھڑانے سے حضرت طلحہ کی یکسوئی میں خلل پڑا، نماز میں جو خشوع ہوا کرتا تھا اس میں کچھ فرق آیا، کسی طرح نماز ادا کی اور فارغ ہوتے ہی باغ یہ کہہ کر صدقہ کر دیا کہ اس کی وجہ سے میری نماز میں خلل پڑا۔

احتیاط کا عالم دیکھئے

۱۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ گشت فرما رہے تھے، راستہ میں آپ کا گذر اونٹوں کی ایک چراگاہ سے ہوا، ایک اونٹ آپ کو دوسرے اونٹوں کے مقابلہ کچھ زیادہ ہی فربہ نظر آیا، پوچھا: یہ اونٹ کس کا ہے؟ لوگوں نے بتایا: آپ کے صاحبزادہ عبداللہ کا، یہ سننا تھا کہ آپ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا، فورا عبداللہ بن عمرؓ کو طلب کیا، اور ان سے دریافت کیا یہ اونٹ تمہارے پاس کہاں سے آیا، انہوں نے جواب دیا، یہ اونٹ میں نے خریدا تھا اور اپنے پیسے سے خریدا تھا، اس

وقت یہ کمزور اور لاغر تھا، میں نے اس کو چراگاہ میں دوسرے اونٹوں کے ساتھ چرنے کے لیے بھیج دیا، دھیرے دھیرے یہ فربہ ہوتا گیا، میرا ارادہ اس کو بیچ کر کچھ نفع حاصل کرنا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ سن کر جلال آ گیا، آپ نے فرمایا، اس عوامی چراگاہ میں جب تمہارا اونٹ چرنے کے لیے آئے گا تو لوگ یہ سوچ کر کہ یہ خلیفۃ المسلمین کے صاحبزادہ کا اونٹ ہے، اس کا خاص خیال رکھیں گے، پہلے تمہارے اونٹ کو چرنے دیں گے، پہلے تمہارے اونٹ کو پانی پلائیں گے، اس طرح تمہارا اونٹ ان کے اونٹوں سے جلدی فربہ ہوگا، اور اس کی قیمت ان کے اونٹوں سے زیادہ لگے گی، اس کے بعد انہوں نے اپنے صاحبزادہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، اے عبداللہ اس اونٹ کو بیچ دو، جتنی رقم میں تم نے اس کو خریدا تھا وہ رقم اپنی لے لو، اور باقی زائد رقم بیت المال میں جمع کردو، کیونکہ وہ تمہارا حق نہیں۔

اتباع سنت کا حال سنئے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہیں، مشورہ ہورہا ہے، معاملہ تدوین قرآن کا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے جب یہ مسئلہ لایا جاتا ہے تو آپ کی زبان سے یہ جملہ نکلتا ہے میں وہ کام کیسے کروں جو آپ ﷺ نے نہیں کیا! لیکن پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے کو درست سمجھ کر آپؓ نے اس عظیم الشان کام کی اجازت مرحمت فرمائی۔

منصب خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو اعلانات کیے ان میں سب سے پہلا اعلان یہ تھا، میں وہی کام کروں گا جو آپ ﷺ کرکے دکھا گئے یا کرنے کا حکم دے گئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے جب کوئی معاملہ پیش کیا جاتا، اور واضح طور پر کوئی نمونہ اس سلسلہ میں حیات طیبہ کا آپؐ کے سامنے نہ ہوتا تو آپؓ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لے جاتے، ایک ایک سے ملتے، اور اس معاملہ کے سلسلہ میں نبوی طریقہ دریافت کرتے اور جب آپؐ کے سامنے اس سلسلہ میں حضور اقدس ﷺ کا طریقہ بیان کیا جاتا، تو فرماتے: اللہ کا شکر ہے کہ ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ہمارے نبی محمد ﷺ کی سنتوں کے محافظ ہیں۔

حب رسول ﷺ کا نمونہ ملاحظہ کیجئے

مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کا ایک خط حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں پہنچتا ہے، خط کا مضمون کچھ اس طرح ہے:

دوگانے والی عورتوں نے ایک گانا گایا، ان میں ایک اپنے گانے میں اشعار کے ذریعہ آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کی جب کہ دوسری نے اپنے گانے میں مسلمانوں کو ہجو کا نشانہ بنایا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی نرم مزاجی اور رحم دلی کے باوجود لکھا کہ حضور کی شان میں گستاخی کرنے والی وہ بدزبان عورت قتل کی مستحق تھی، اور مسلمانوں کو ہجو کا نشانہ بنانے والی عورت معافی کی حقدار تھی۔

غزوۂ احد میں حضرت ابو دجانہؓ نے اپنی پشت کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ڈھال بنادیا تھا، ان کی پشت پر تیروں کی بارش ہوتی رہی لیکن انہوں نے اس کو جنبش بھی نہ دی۔ (زاد المعاد)

صبر کا واقعہ سنئے

حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے جب دمشق پہنچے تو پاؤں کی ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہوگئے جس کا علاج ہی یہ تھا کہ پاؤں کا وہ حصہ کاٹ دیا جائے، ورنہ خطرہ یہ تھا کہ مرض کہیں جسم کے اوپری حصہ تک سرایت نہ کر جائے، چنانچہ ولید بن عبدالملک کے حکم پر پاؤں کاٹنے والے کو بلوایا گیا، لوگوں نے حضرت عروہؒ سے درخواست کی کہ ہم آپ کو تھوڑی سی شراب پلادیتے ہیں تاکہ آپ کو تکلیف کا احساس نہ ہو، حضرت عروۃ بن زبیرؒ نے جواب دیا! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جس اللہ سے میں صحت وعافیت کی امید لگاؤں اسی اللہ کی حرام کی ہوئی چیز اس موقع پر استعمال کروں؟

لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کو نیند آور مشروب پلادیتے ہیں اس سے بھی آپ کو تکلیف کا احساس کچھ کم ہوجائے گا، حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ میرے

جسم کا کوئی حصہ کاٹا جائے اور مجھے اس کی تکلیف کا احساس بھی نہ ہو کیوں کہ پھر میں خدا سے اجر وثواب کی امید کس بات پر کروں گا؟ اس کے بعد حضرت عروۃ بن زبیرؓ نے دیکھا کہ کچھ لوگ اندر آ کر ان کے پاس کھڑے ہوگئے، انہوں نے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیوں آئے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ جب آپ کا پیر کاٹا جائے گا تو یہ لوگ آپ کو پکڑے رہیں گے تاکہ آپ ہلیں نہیں، حضرت عروۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کو مجھے پکڑنے کی ضرورت نہ پڑے گی، چھری سے ان کی ٹانگ کاٹی گئی، چھری جب ہڈی تک پہنچی تو اس نے کام کرنا چھوڑ دیا، چانچہ آری منگائی گئی، اور ہڈی آری سے کاٹی گئی، ٹانگ جب آری سے کاٹی جارہی تھی تو حضرت عروۃ بن زبیر کی زبان سے صرف **لاالـہ الا اللہ** اور اللہ اکبر نکل رہا تھا، پھر لوہے کے ایک برتن میں تیل کھولایا گیا اور خون روکنے کے لیے ان کی ٹانگ کو اس کھولتے ہوئے تیل میں ڈالدیا گیا، تکلیف کی شدت سے حضرت عروۃ بن زبیر پر بیہوشی طاری ہوگئی، ہوش میں آئے تو چہرے سے پسینہ پوچھتے جاتے تھے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے: **"لقد لقینا من سفرنا ھـذا نـصبـا"** (سورۃ الکہف آیت نمبر: ٦٢) (اس سفر سے ہم بہت تھک گئے) حضرت عروہؒ نے ہوش میں آنے کے بعد جب ٹانگ کا وہ کٹا ہوا ٹکڑا دوسروں کے ہاتھ میں دیکھا تو اس کو ان سے مانگا، ہاتھ میں اس کو لیا، الٹ پلٹ کر دیکھا پھر اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے میرے جسم کا بوجھ تجھ پر لادا، میں اس ذات کو واسطہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے تجھ کو کبھی کسی غلط راہ پر نہیں چلایا اور نہ کسی گناہ کی طرف میں نے تجھ کو بڑھایا۔

دولڑکے ہیں، جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکے ہیں، اس عمر کی امنگوں اور تمناؤں کا کیا کہنا، خواہشات وآرزوؤں کا کیا پوچھنا، لیکن ان کی صرف ایک ہی آرزو اور ایک ہی تمنا ہے کہ ابوجہل کو محبوب خدا سے دشمنی کا مزہ چکھانا ہے، دشمن اسلام کی تلاش ہے، لیکن پہچانتے نہیں، کان ضرور گناہگار ہیں اس کا نام سننے کے لیکن آنکھیں محفوظ ہیں، اس کے دیدار کی گناہگار بننے سے، پوچھتے پوچھتے دونوں حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچتے ہیں، اب آگے سنیے! حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی زبان سے، وہ کیا کہتے ہیں:

''میں صف میں تھا، دفعتہً مجھ کو دائیں بائیں دونوجوان نظر آئے، یہ دونوں عفراء کے بیٹے معوذ اور معاذ تھے، ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا کہ ابوجہل کہاں ہے؟ میں نے کہا برادرزادہ: ابوجہل کو پوچھ کر کیا کرو گے؟ بولا کہ میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ ابوجہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا اسے قتل کروں گا یا خود لڑکر مارا جاؤں گا، میں ابھی جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کان میں یہی بات کہی، میں نے دونوں کو اشارے سے بتایا کہ ابوجہل وہ ہے، بتانا تھا کہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور دیکھتے ہی دیکھتے ابوجہل کو زمین پر گرا دیا، ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے پیچھے سے آکر معاذ کے بائیں شانہ پر تلوار ماری جس سے بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی رہا، معاذ نے عکرمہ کا تعاقب کیا لیکن وہ بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا، معاذ اسی حالت میں لڑرہے تھے لیکن ہاتھ لٹکنے کی وجہ سے زحمت ہوتی تھی، ان کو یہ زحمت بھی گوارہ نہ تھی انہیں وہ ہاتھ بھی قبول نہ تھا جو خدا کے راستے میں ان کے لیے رکاوٹیں کھڑی کررہا ہے، انہوں نے اس ہاتھ سے اس طرح پیچھا چھڑایا کہ اس کو پاؤں کی نیچے دبا کر اسے زور سے کھینچا کہ تسمہ الگ ہوگیا، اب وہ آزاد تھے۔

خدمت خلق کا جذبہ دیکھئے

مدینہ میں ایک بزرگ اور نابینا خاتون اکیلی رہتی تھی، حضرت عمرؓ (ہونے والے خلیفہ) کو ایک مرتبہ یہ خیال آیا کہ ان کے گھر کے کاموں کو انجام دینے میں ان کی مدد کی جائے، لیکن صبح صبح جب وہ ان کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ گھر کی صفائی ستھرائی ہوچکی ہے، پانی کے مشکیزے بھرے پڑے ہیں، ضرورت کی تمام اشیاء اپنے ٹھکانے پر موجود ہیں، انہیں سخت حیرانی ہوئی کہ صبح سے قبل یہ کام کون کر گیا، بوڑھی خاتون سے دریافت کیا تو وہ بولیں بیٹا! مجھے نہیں معلوم کون خدا ترس آدمی جو یہ تمام کام فجر سے پہلے انجام دے جاتا ہے، حضرت عمرؓ اگلے روز فجر کی قبل بوڑھی خاتون کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابوبکرؓ (موجودہ خلیفہ) یہ تمام کام انجام دیتے ہیں تب حضرت عمرؓ نے کہا: ابوبکرؓ! خدا کی قسم میں آپ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

زندہ لاش کی طرح
جینے کی روش آخر کب تک؟

کائنات میں بے شمار مخلوقات ہیں، ان کی الگ الگ خصوصیات ہیں، نباتات، جمادات، اور حیوانات ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے، بلکہ ان کے متنوع فوائد کا تذکرہ قرآن کریم میں کیا گیا ہے، ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے تابع کر دیا ہے: **"ھوالذی سخر لکم ما فی الارض جمیعا"** (وہی اللہ ہے، جس نے تمہارے لیے روئے زمین کی تمام چیزوں کو مسخر کیا ہے)، جو لوگ نظام کائنات میں غور وخوض کرتے ہیں اور جنہیں اللہ رب العزت نے بصیرت سے نوازا ہے وہ اس حقیقت کا روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں، البتہ انہی اہل بصیرت کے درمیان کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو صرف کھانے، پینے، سونے اور جاگنے میں مشغول رہتے ہیں، ان کے اور دیگر حیوانات کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ یہ اپنی زبان سے بولتے ہیں اور ستر کو چھپا لیتے ہیں، اس سے زیادہ ان میں کچھ بھی شعور نہیں ہے کہ انسانی صورت دے کر انہیں اس دنیا میں کیوں پیدا کیا گیا؟ پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں وہ ذرہ برابر بھی نہیں سوچتے ہیں، بس اس دنیا میں ایک مخلوق کی حیثیت سے جینا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی زیبائش وآرائش کی چیزیں پیدا کی ہیں، انہیں اپنی ملکیت سمجھ کر ان سے فائدہ اٹھانا ہے، یہی ان کی زندگی کا اصل مقصد ہے۔

اس قسم میں اگرچہ بعض مثقف، تعلیم یافتہ اور جدید علوم وفنون کے ماہر بھی ہوتے ہیں، جو کائنات کے بارے میں بہت کم سوچتے ہیں، اور نہ وہ اس طرف توجہ دیتے ہیں کہ اس کائنات کے خالق کا ان پر کیا حق ہے، اس کی معرفت کیسے حاصل ہوتی ہے؟ اس کے لامحدود اور لامتناہی صفات کیا کیا ہیں؟ جن کے کسی ایک حصہ، بلکہ ایک ذرہ کے ادراک سے بھی پوری دنیا کی عقل

عاجز ہے، ایسے افراد پر لطف اور حسین خوابوں کی دنیا میں سیر کرتے ہیں، اور ہوائی محل تعمیر کرتے ہیں، عیش آرام، خوشحالی وفارغ البالی کی زندگی گزارتے ہیں، پھر اچانک موت کا فرشتہ آ کر ان کی روح قبض کر لیتا ہے، اور وہ کف افسوس ملتے ہوئے اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے دنیا کو الوداع کہتے ہیں۔

اولو الالباب کون؟

افسوس صد افسوس! اس بیچارے اور مسکین کی اللہ کی میزان میں کوئی حیثیت نہیں ہے، اس کے برخلاف وہ لوگ جن کو وہ حقیر سمجھتے تھے، اور لیکن وہ اللہ کی نشانیوں میں غور وخوض کرنے والے تھے، تو اللہ نے ان کو ''اولو الالباب'' کے خطاب سے نوازا ہے، قرآن مقدس میں ان کی تعریف کی ہے اور ان کی قدر ومنزلت کو بیان کیا ہے، ارشاد باری ہے: **"ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنھار لآیات لاولی الالباب، الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم، ویتفکرون فی خلق السموات والارض، ربنا ما خلقت ھذا باطلا، سبحانک فقنا عذاب النار"** (بیشک آسمان وزمین کی پیدائش، اور دن ورات کی گردش میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں، جو لوگ کھڑے ہوکر، بیٹھ کر اور اپنے پہلوؤں کے بل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، اور آسمان وزمین کی تخلیق میں غور کرتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے ان چیزوں کو یونہی نہیں پیدا کیا ہے، تیری ذات پاک ہے تو ہمیں جہنم کی آگ سے بچا لے)، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب یہ آیت آپ ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ ﷺ اٹھ کر نماز پڑھنے لگے، اتنے میں فرض نماز کا وقت آ گیا، تو حضرت بلال حبشیؓ آپ کو نماز کے وقت کی اطلاع دینے کے لیے آئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضور رو رہے ہیں، تو انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے، پچھلے سارے گناہ معاف فرمادیے ہیں، پھر آپ کیوں روتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے بلال! کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ جب کہ آج رات مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے: **"ان فی خلق السموات والارض** .....'' پھر آپ نے ارشاد فرمایا: ''تباہی ہے اس شخص کے لیے جو اس آیت کی تلاوت کرے،

لیکن کائنات کے بارے میں غور نہ کرے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل علم کی تعریف کی ہی اور ان کی خوبیوں اور صفات کا تذکرہ بھی فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ کائنات کی نشانیوں میں تدبر وتفکر کرتے رہتے ہیں، اس کائنات کے خلاق کی معرفت کا راستہ تلاش کرتے رہتے ہیں، اور پھر اس عظیم، ابدی اور سرمدی طاقت کے سامنے جس نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا ہے، اور جس نے انسان اور ہر جاندار کو شرف وجود بخشا ہے، سب اس کے سامنے سرنگوں ہوجاتے ہیں، اسی کی قدرت کے گن گاتے ہیں، اور نظام الٰہی کے ہر ہر گوشہ، آسمان وزمین کی پیدائش، لیل ونہار کی گردش کا گہرائی سے مطالعہ کرتے ہیں، اور اللہ نے اس نظام کو چلانے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، اور نوع بنوع کی جو مخلوقات پیدا کی ہیں ان کا جائزہ لیتے ہیں، اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور یقیناً یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر انسان دنیوی زندگی کی سعادت اور اخروی زندگی کی فلاح وکامرانی، اور موت کے بعد روز محشر میں کامیابی کا تمغہ لے کر جنت میں داخل ہوسکتا ہے۔

غافل انسان جانوروں سے بدتر کیوں؟

ان تمام آسمانی حقیقتوں، واضح ثبوتوں اور ٹھوس ایمانی عقیدوں کے باوجود شروع ہی سے انسانوں کا ایک گروہ اس حقیقت سے صرف نظر کرتا رہا ہے، وہ اس کی گہرائی میں نہیں جانا چاہتا ہے، اور نہ ہی اس کی روشنی میں اپنی زندگی کو خوشگوار بنانا چاہتا ہے، بلکہ وہ تو کائنات کی سلسلہ میں تدبر کے برخلاف یہ دعوی کرتا ہے کہ اس میں اپنی عقل اور فکر کو استعمال کرنے سے زندگی مکدر ہوجاتی ہے، اور دنیا کا جو فطری نظام ہے اس میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، قرآن کریم نے اس جماعت کی تصویر کشی اس انداز میں کی ہے: **"لھم قلوب لا یفقھون بھا، ولھم اعین لایبصرون بھا، ولھم آذان لایسمعون بھا، اولئک کالانعام بل ھم اضل، اولئک ھم الغفلون"** (ان کے اندر ایسے دل ہیں، جن سے وہ سمجھ کا کام نہیں لیتے ہیں، ان کے پاس ایسی آنکھیں ہیں، جس سے وہ دیکھتے نہیں ہیں، ان کے پاس ایسے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں ہیں، یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں، یہی لوگ دراصل غافل ہیں)۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں جانوروں سے تشبیہ ہی نہیں دی ہے، بلکہ جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا ہے، اور جانوروں سے بدترین درجہ غفلت کا ہے، گویا کہ **"اولئک ھم الغفلون" "بل ھم اضل"** کا جواب ہے کہ یہ جانوروں سے بھی بدتر کیوں ہیں؟ تو اس کا جواب دیا گیا کہ اس لیے کہ یہ لوگ غفلت کے شکار ہیں، اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: ''چوں کہ وہ سیدھے راستہ پر نہیں چلتے ہیں، اس لیے وہ جانوروں سے مشابہ قرار دیے گئے، اور چوپایوں سے بھی بدتر اس لیے قرار دیے گئے کہ چوپائے تو کم سے کم اپنے نفع ونقصان کی چیزوں میں فرق کر لیتے ہیں اور اپنے آقا کی پیروی کرتے ہیں، جبکہ اس طرح کے لوگ اس صفت سے عاری ہیں، اور مشہور تابعی عطاءؒ فرماتے ہیں کہ جانور اور چوپائے اللہ کی معرفت رکھتے ہیں، جبکہ کافر اس کی معرفت نہیں رکھتا ہے، اس لیے اس کا درجہ جانوروں سے بھی کم کر دیا گیا ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جانور اللہ کے فرمانبردار ہوتے ہیں، جبکہ کافر نافرمان ہوتا ہے۔

موجودہ انسانی معاشرہ میں انسان

انسانی معاشرہ پر عمومی نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں جن لوگوں کی طرف اشارہ ہے ہمارے معاشرہ میں ایسے ہی لوگوں کی اکثریت ہے، اقتدار کے مالک بھی یہی لوگ ہوتے ہیں، اور عام طور پر یہی دوسروں کے معاملات بھی طے کرتے ہیں اور ان کی تقدیر کا فیصلہ کرتے ہیں، ہمارے سامنے اس وقت اس کی سب سے واضح مثال سپر پاور کی ہے، جو حقیقی اور ضروری مسائل سے صرف نظر کرتے ہوئے غیر ضروری امور پر زیادہ توجہ دیتا ہے، اور انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کرتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے **"انی جاعل فی الارض خلیفة"** کے ذریعہ انسانوں کو خلافت ارضی کا منصب عطا کیا ہے، اور عظیم مرتبہ پر فائز کیا ہے۔

سب سے بڑا المیہ

اس دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے کاموں میں جو اخلاص اور خدا کی مرضی ہونی چاہیے تھی اور جو مضبوط ایمان ہونا چاہیے تھا، اس کا فقدان ہو چکا ہے، اس کی روح مردہ

ہوچکی ہے، لوگ شکوہ مادیت اور چمکتی دنیا پر فریفتہ ہیں، اور انہیں عادت وعبادت کے درمیان ذرہ برابر بھی فرق محسوس نہیں ہوتا ہے، وہ دینی کام اور اپنے ''روٹین ورک'' (WorkRoutine) کے درمیان کچھ فرق سمجھتے ہی نہیں، مثال کے طور پر ایک شخص پابندی سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، لیکن وہ نماز میں یہ تصور نہیں کرتا ہے کہ اسے اللہ دیکھ رہا ہے اور وہ اس بندگی کے ذریعہ اپنی اطاعت وفرمانبرداری کا اظہار کررہا ہے، جس کے بدلہ اسے نعمتوں سے سرفرازا جائے گا، وہ محض ایک عادت کی بناء پر نماز پڑھ لیتا ہے، اور یہ صورت حال صرف نماز کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ تمام عبادتوں، چاہے فرض وواجب ہوں یا نفل اور سنت وغیرہ، کسی کی ادائیگی میں بھی اس کی اصل روح باقی نہیں رہتی ہے، اور نہ اس کا یہ تصور ہوتا ہے کے اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

کیا ہماری سوسائٹی، ہماری مجلسوں، محفلوں اور گھروں میں یہ سوال نہیں اٹھنا چاہئے کہ ان عبادتوں کی روح کہاں چلی گئی کہ انسانی وجود بے جان کی طرح رہ گیا ہے، یہ سوال اس لائق ہے کہ ہمارے معاشرہ میں اس کو اٹھایا جائے، ہم ایک بے جان، روح سے خالی اور زندہ لاش کی طرح جینے لگے ہیں، کیا ہم پر یہ آیت منطبق نہیں ہوتی ہے کہ **"ولقد ذرانا لجهنم كثيرا من الجن والانس"** (ہم نے جہنم کے لیے زیادہ جنوں اور انسانوں کو چھوڑ رکھا ہے)، کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی وعید ہوسکتی ہے۔

کامیابی کا راز

نعمت اسلام میں تو اللہ تعالیٰ نے انسان وجنات کی کامیابی وکامرانی کا راز رکھا ہے، پھر ہم اس عظیم انسانی نعمت کو کیسے بھول سکتے ہیں اور اس فطری شرف کا انکار کیسے کر سکتے ہیں اور ایمانی سربلندی کو کیوں کر فراموش کر سکتے ہیں؟ اور یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اتنی ساری نعمتوں کے ملنے کے باوجود ہم دعوت الی اللہ اور ذکر خداوندی کو بھلا کر ان لوگوں کی صف میں شامل ہوجائیں، جو اعلیٰ صلاحیت، دانشمندی، اور عقل وفکر کی وسعت رکھتے ہیں، لیکن ان کا استعمال غیرضروری چیزوں میں کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی فطرت کے برخلاف زندگی گزارتے ہیں؟ ہمیں تو اللہ نے دوسروں کی تربیت وتزکیہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے بھیجا ہے، اور قیامت کے دن ہمیں اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

بلاشبہ معمولی غفلت بھی انسان کو جانوروں اور مویشیوں سے بھی گرا ہوا بنا دیتی ہے، اس کے اندر برائی اور شروفساد کا مادہ پیدا کردیتی ہے، اور اس کی فطرت میں حق کی دعوت، اور امن وسلامتی کے جذبہ کے بجائے ظلم وبربریت، وحشیانہ فعل، قتل وغارت گری، خدا کی ناشکری اور ہر غیرانسانی حرکت کو انجام دینے کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے، اے کاش کہ مادہ پرست سیاستدان اور لیڈران اِن ناقابل تغیر حقائق کے بارے میں تھوڑی دیر سوچ لیتے، اور اس دنیا میں انسان کے حقیقی ہدف کو جان لیتے، اور یہ کہ ان سب کو آخرت کی طرف لوٹ کر حساب دینا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: **"يايهاالانسان ما غرک بربک الكريم الذى خلقک، فسواک فعدلک، فى اى صورة ما شاء ركبک، كلا، بل تكذبون بالدين، وان عليكم لحفظين كراما كاتبين، يعلمون ما تفعلون"** (اے انسان! تم کو اپنے معزز پروردگار کی طرف سے کس چیز نے دھوکے میں رکھا ہے، جس نے تم کو پیدا کیا، اور تم کو اعضاء وجوارح دیے اور اعتدال کے ساتھ تمہارا نظام بنایا، اور کتنی اچھی صورت میں تم کو پیدا کیا، ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے، تم قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہو، اور تمہارے اوپر نگراں ہیں، جو معزز ہیں اور سارے اعمال کو لکھ رہے ہیں، اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتے ہیں)۔

بیٹے کو باپ کی نصیحت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عبرت ونصیحت اور رشدوہدایت کی بے شمار چیزیں رکھ دی ہیں، ترغیب، تہدید، امثال اور نظائر بھی اس کے لیے پیش کردیے ہیں، اس ضمن میں بعض اہم شخصیات کا بھی ذکر کیا گیا ہے، انہیں میں سے ایک شخصیت ''لقمان حکیم'' کی ہے، یہ عنقاء بن سدون کے بیٹے ہیں، سوڈان کے علاقہ ''نوبہ'' سے تعلق رکھتے تھے۔ (النسبۃ الی المواضع والبلدان للحمیری، ص: ۶۴۰)

یہ نبی نہیں تھے، بلکہ یہ نیکوکار، عبادت گزار اور اطاعت شعار بندے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دامن کو حکمت کے موتیوں سے بھر دیا تھا، قرآن مجید میں ہے: **"ولقد آتینا لقمان الحکمة"** (سورۃ لقمان آیت نمبر۱۲)، یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ علم البدن اور علم ازمان کے ماہر تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عمر طویل کی درخواست کی، جو بارگاہِ ایزدی میں قبول ہوئی، حتی کہ ابو حاتم سجستانی نے حضرت خضر کے بعد دنیا کے دوسرے معمر ترین لوگوں میں ان کا شمار کیا ہے۔ (المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام للدکتور جواد علی: ج۱/ص۳۱۵و۳۳۷)

حضرت لقمان نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حکمت کے ذریعہ سے لوگوں کی رہنمائی کی، ان کی حکمت بھری باتیں تاریخ وسیر کی کتابوں میں وافر مقدار میں موجود ہیں، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس نصیحت کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی ہے، یہ دس نصیحتیں ہیں، جو بہت ہی اہم ہیں، ان میں زندگی گزارنے کے پورے طور طریقے بتلادیے گئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ہر فرد ان نصیحتوں پر عمل پیرا ہوجائے تو یہ زمین واقعی خلیفۃ اللہ کی زمین نظر آئے گی، یہ نصیحتیں عقائد کی درستگی، اصلاح عمل، اصلاح خلق اور آداب معاشرت سے تعلق رکھتی ہیں، آیئے! ہم بھی ان نصیحتوں کو جانتے چلیں:

۱۔ ''شرک مت کرو'': شرک ایک ایسا عمل ہے، جس میں ایک انسان اپنے جیسے یا اس سے بھی گری پڑی چیز کو اللہ کا درجہ دے دیتا ہے، اس کی سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، زندگی وموت کا مالک قرار دیتا ہے، اولاد کی بھی خواہش اس سے کرتا ہے، یہ اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ بغاوت اور غداری ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر انسان اسی جرم کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس جرم کو معاف نہیں کرے گا، ارشاد باری ہے: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جس کے گناہ چاہے گا، معاف کردے گا۔ (سورۃ النساء: ۴۸)

یہ نصیحت عقیدہ کی درستگی سے متعلق ہے، حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو یہی نصیحت کی کہ اللہ کے ساتھ شرک مت کرو، شرک ایک بڑا ظلم ہے: **"یا بنی لاتشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم"** (اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ، بلاشبہ یہ بڑا (بھاری) ظلم ہے۔''

۲۔ ''اللہ تعالیٰ باریک بیں اور باخبر ہے:'' یہ دوسری نصیحت بھی عقیدہ سے متعلق ہی ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اس بات کا پختہ یقین رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، کوئی بھی چیز اس کے علم سے باہر نہیں، خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، انسانی نظروں میں آنے والی ہو یا انسانی نظروں میں نہ آنے والی، اللہ تعالیٰ سے وہ چھپی ہوئی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے علم کا ہر چیز پر محیط ہونا اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو اسی بنیادی عقیدہ کی نصیحت کی، فرمایا: **"یا بنی انها ان تک مثقال حبة من خردل فتکن فی صخرة او فی السماوات او فی الارض یات بها الله ان الله لطیف خبیر"** (لقمان نے یہ بھی کہا کہ) بیٹا! اگر کوئی عمل (بالفرض) رائی کے دانے کے برابر بھی (چھوٹا) ہو اور ہو بھی کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں میں (مخفی ہو) یا زمین میں، اللہ اس کو قیامت کے دن لاموجود کرے گا کچھ شک نہیں کہ اللہ باریک بین (اور) خبردار ہے)۔

۳۔ ''نماز قائم کرو'': عقیدہ کی درستگی کے بعد نمبر عمل کا آتا ہے، یوں تو اعمال واجبہ بہت ہیں، لیکن ان میں مہتم بالشان عمل ''نماز'' ہے، قیامت کے دن حقوق اللہ میں سب سے پہلے اسی کی بابت پوچھ ہوگی، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: **اول ما یحاسب به العبد یوم القیامته من عمله صلاته، فان صلحت فقد افلح وانجح، وان فسدت فقد خاب وخسر** (سنن الترمذی، حدیث نمبر:۴۱۱) (قیامت کے دن سب سے پہلے بندہ سے نماز کے متعلق محاسبہ ہوگا، اگر نماز ٹھیک رہی تو وہ کامیاب ہوگا اور اگر وہ خراب رہی تو ناکام ہوگا)، نماز ایسی عظیم عبادت ہے کہ اسے کفر واسلام کے مابین فرق کرنے والی چیز کہا گیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: **"بین الکفر والایمان**

تـرک صـلاۃ" (سنن الترمذی، حدیث نمبر:۴۱۱) (کفر اور ایمان کے درمیان (تمیز کرنے والی چیز) نماز کا چھوڑنا ہے)۔

حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو اسی نماز کی پابندی کی نصیحت کی، فرمایا: **"یـا بـنـی اقـم الصلاۃ"** (اے میرے بیٹے! نماز قائم کرو)۔

۴۔''بھلائی کا حکم دو'': نماز ایک اہم عبادت ہے، لیکن یہ ایک انفرادی عمل ہے، جب کہ اسلام اجتماعی دین ہے، فرد کی اصلاح کے ساتھ جماعت کی اصلاح اس کے نظام کا اہم جزء ہے، اسی کے لیے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اتارے گئے، ہر نبی نے جماعت کی اصلاح کا کام بدرجۂ اتم کیا، اللہ کے رسول ﷺ نے خود بھی اصلاح کا کام کیا اور امت کو بھی اس کا حکم فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خیر امت کا لقب دیا ہے، جس کی وجہ یہی ہے کہ یہ امت لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتی ہے (آل عمران: ۱۱۰)، حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو اسی اجتماعی اصلاح کی نصیحت فرمائی، فرمایا:''وامر بالمعروف'' (اور بھلائی کا حکم دو)۔

۵۔''برائی سے روکو'': اصلاح جس طرح بھلائی کے حکم سے ہوتی ہے، اسی طرح برائی سے روک کر بھی ہوتی ہے، جتنے بھی انبیاء اس دنیا میں تشریف لائے، سبھوں نے اپنی قوم کو برائی سے روکنے کا کام کیا ہے، خود اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اس فریضہ کو انجام دیا ہے اور امت کو بھی اسی کا حکم فرمایا ہے، فرمایا: **مـن رای مـنـکـم منکرا فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ، ومن لم یستطع فبقلبہ، وذالک اضعف الایمان** (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۷۸) (تم میں سے جو برائی دیکھے، اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر ہاتھ سے نہیں روک سکتا تو زبان سے روکے، اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے)۔

حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو یہی نصیحت کی کہ لوگوں کو برائی سے روکو، فرمایا: **"وانـہ عن المنکر"** (اور (لوگوں کو) برائی سے روکو)۔

۶۔'' مصیبت پر صبر کرو'': حضرت لقمان حکیم تھے، انہیں معلوم تھا کہ نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے ہنسی مذاق اور بچوں کا کھیل نہیں ہے، اس راستہ میں جو بھی لگتا ہے، اسے تکالیف برداشت کرنی ہوتی ہے، مشقت جھیلنی ہوتی ہے، جتنے بھی لوگوں نے اس کوچہ میں قدم رکھا، ان کے پیروں میں چھالے پڑے، جنہوں نے بھی اس کام کے لیے صحرا نوردی کی، آبلہ پائی سے دوچار ہونا پڑا، خود نبی کریم ﷺ کو کتنی تکلیفیں دی گئیں، آخر کار وطن کو ہی چھوڑنا پڑا۔

حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو یہی نصیحت کی کہ جب جماعت کی اصلاح کے لیے قدم بڑھاؤ گے، بھلائی کا حکم دو گے اور برائیوں سے روکے گے تو تکلیفیں ہوں گی، اس سے گھبرا نہ جانا، بلکہ صبر سے کام لینا، فرمایا: **"واصبر علی ما اصابک"** (آنے والی مصیبت پر صبر کرو)۔

۷۔''لوگوں سے منھ نہ پھیرو'': عوام میں اصلاح کے لیے عوامی رابطہ بھی ضروری ہے، جب تک گھل مل نہیں جائیں گے، میل جول نہیں بڑھائیں گے، ان کی اصلاح نہیں ہوسکتی، کیوں کہ عوامی رابطہ کے ذریعہ ہی ان کی حقیقی بیماری کی جان کاری ہوگی اور ظاہر ہے کہ جب تک بیماری کا پتہ نہ چلے، تب تک اصلاح کیسے کی جائے گی؟ مصلحین ڈاکٹر کی مانند ہوتے ہیں اور ڈاکٹر جب تک مریض کا چیک اپ نہیں کر لیتا، نسخہ نہیں لکھتا، اسی طرح مصلحین کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے قوم کی بیماری ڈھونڈتے ہیں، پھر اصلاح کی کوشش کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ بیماری کو تلاش کرنے کے لیے رابطہ بہت ضروری ہے۔

رابطہ کی استواری کے لیے ضروری ہے کہ خوش خلقی اور ملنساری کی صفت اتم درجہ میں موجود ہو، اگر کوئی بدخلق شخص رابطہ عامہ کی کوشش کرے تو یہ دشوار ترین امر ہے، حضور ﷺ سے بھی یہی بات کہی گئی تھی کہ اگر آپ سخت دل اور سخت مزاج ہوتے تو لوگ آپ کے اردگرد جمع نہ ہوتے، بھاگ جاتے: **" لـو کـنـت فظا غلیظ القلب لانفضو من حولک"** (آل عمران:۱۵۹)، اللہ کے رسول ﷺ نہ صرف یہ کہ خود خوش خلق اور ملنسار تھے، بلکہ لوگوں کو اسی تعلیم دیتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تھوڑی بھلائی کو بھی کم تر نہ جانو اگرچہ وہ تھوڑی بھلائی خوش اخلاقی کے ساتھ اپنے بھائی سے ملنا ہو۔ **(الـجـمـع بیـن الصحیحین البخاری ومسلم، حدیث نمبر:۳۸۳)**۔

حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو یہی نصیحت کی کہ لوگوں سے منھ نہ پھیرو، بلکہ ہر ایک سے اچھے ڈھنگ سے بات کرو کہ یہ آداب معاشرت میں سے ہے اور اصلاح عوام کے لیے ضروری ہے، فرمایا: **"ولاتصعر خدک للناس"**: (اور (ازراہِ غرور) لوگوں سے گال نہ پھلانا)۔

۸۔''زمین میں اکڑ کر مت چلو'': اصلاح کا بیڑا اٹھانے والوں کے لیے ضروری ہے کہ

ان کے اندر فروتنی اور عاجزی ہو، اکڑ نام کی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ اکڑ سے انسان پنپتا نہیں، ملیامیٹ ہوجاتا ہے،''گیا شیطان مارا اک سجدہ کے نہ کرنے سے، اگر لاکھوں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا''، اکڑ ابلیسی صفت ہے اور فروتنی رحمانی اوصاف میں سے ہے، خود اللہ کے رسول ﷺ فروتنی کے پیکر تھے، بکری کا دودھ تک دوہ لیتے تھے، فتح مکہ کے موقع سے مکہ میں داخل ہوتے وقت شاہانہ کروفر کا طریقہ نہیں اپنایا، بلکہ فروتنی اختیار کرتے ہوئے داخل ہوئے، حتی کہ آپ ﷺ کی تھوڑی مبارک کجاوہ سے مس ہورہی تھی۔

انسان کے اندر چونکہ خودستائی کی بھی صفت پائی جاتی ہے، جس کے نتیجہ میں بسااوقات وہ جب کوئی اچھا کام کرتا ہے، جب کسی پر غلبہ پاتا ہے، جب کسی سے جیت جاتا ہے تو شیطانی بہکاوے میں آکر اکڑ فوں دکھانے لگتا ہے، یہ قابل مذمت ہے، حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو یہی نصیحت کی کہ:

"ولا تمش فی الارض مرحا ان اللہ لا یحب کل مختال فخور" (زمین میں اکڑ کر مت چلو، بیشک اللہ تعالیٰ فخر کرنے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا)۔

۹۔'' میانہ چال چلو'': آج کا زمانہ تیز گامی کا ہے، جس کسی کو بھی دیکھو تیز رفتاری کے ساتھ بھاگا جارہا ہے، بالخصوص نوجوان بائکرس، وہ جب بائک پر سوار ہوتے ہیں تو دنیا سے لگتا ہے غافل ہوجاتے ہیں، خود بھی جان دیتے ہیں اور دوسرے کی بھی جان لیتے ہیں، تیز رفتاری کے ساتھ چلنا وقار کے خلاف ہے، اس سے دوسروں کو تکلیف بھی ہوتی ہے۔

جس طرح تیز رفتاری کے ساتھ چلنے کی ممانعت آئی ہے، اسی طرح سست روی کو بھی پسند نہیں کیا گیا ہے، پسندیدہ چال میانہ روی کے ساتھ چلنا ہے، اس میں نہ کسی کو تکلیف ہوتی ہے اور نا ہی یہ وقار کے خلاف ہے، حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو اس کی نصیحت کی کہ چال میں میانہ روی کو اختیار کرو، فرمایا: **"واقصد فی مشیک"** (اور اپنی چال میں اعتدال کیے رہنا)۔

۱۰۔''آواز پست رکھو'': چیخ پکار اور شور ہنگامہ وہ شخص کبھی پسند نہیں کرتا، جو سلیم الفطرت ہو، کیونکہ فطرت کی سلامتی سکون کو پسند کرتی ہے، سکون ایک بڑی نعمت ہے، جس کی تلاش میں لوگ ہمالیہ کا سفر کرنے سے نہیں چوکتے، آج کل ہنگامہ آرائی سے تنگ آ ہوئے لوگ اسی سکون کی تلاش کے لیے صوفی ازم کا بھی رخ کررہے ہیں، صوتی آلودگی ایک عالم گیر مسئلہ بن چکا ہے، اسی وجہ سے بلاوجہ تیز آواز کو منع کیا گیا ہے، ہاں اتنا زور سے ہو کہ مخاطب صاف طور پر سمجھ جائے۔

حضرت لقمان نے بیٹے کو یہی نصیحت کی کہ بلاوجہ آواز تیز کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، اس سے دوسروں کو تکلیف بھی ہوگی اور اس طرح کا آواز نکالنا معاشرہ کے ایک غیر پسندیدہ جانور گدھے کے مشابہ بھی ہے، اس لیے اس سے بچنا چاہیے، فرمایا:

"واغضض من صوتک ان انکر الاصوات لصوت الحمیر" (اور (بولتے وقت) آواز نیچی رکھنا کیونکہ (اونچی آواز گدھوں کی ہے اور کچھ شک نہیں کہ) سب آوازوں سے بُری آواز گدھوں کی ہے)۔

یہ ایک باپ کی طرف سے اپنے بیٹے کو کی گئی نصیحتیں تھیں، جو اس قدر اہم ہیں کہ قرآن نے بھی انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے اندر سمیٹ لیا ہے، اب ذرا ہم اپنے معاشرہ کا جائزہ لیں، کیا ہم بھی بیٹوں کو نصیحتیں کرتے ہیں؟ کیا کبھی ہم نے اپنے بچوں کو بتایا کہ عقیدہ کیا ہے؟ کیا انہیں اصلاح عمل کا طریقہ سکھایا؟ کیا اخلاقی باتیں بتائیں؟ کیا آداب معاشرت کی تعلیم دی؟ اگر یہ باتیں بتلائی ہیں تو بچے اطاعت شعار ہوں گے، لیکن اگر نہیں بتلائی ہیں تو پھر کچھ بھی کہنا مشکل ہے۔

آج ہماری زندگی اتنی بزی ہوچکی ہے کہ ہم بچوں سے یہ تک نہیں پوچھ پاتے کہ تمہاری تعلیم کیسی ہے؟ تمہیں کچھ پریشانی تو نہیں؟ کچھ ضرورت تو نہیں؟ چہ جائیکہ کہ انہیں نصیحتیں کریں، انہیں اخلاقی تعلیم دیں، جب بچہ اسکول جاتا ہے، اس وقت ہم خواب خرگوش میں رہتے ہیں اور جب ہم گھر واپس آتے ہیں تو بچہ خواب خرگوش میں رہتا ہے، ہفتہ میں ایک دن ملاقات ہوپاتی ہے، یاد رکھئے! بچوں کے لیے پہلا آئیڈیل ماں باپ ہوتے ہیں، جیسے ہم کریں گے، جیسا ہم سکھائیں گے، جیسی ہم تعلیم دیں گے، بچے وہی کریں گے، وہی سیکھیں گے اور وہی تعلیم پائیں گے؟ اس لیے اپنا محاسبہ کرنا ہے، جائزہ لینا ہے، اور اگر اب تک بچوں سے دور رہے ہیں تو خدارا! اب بند کیجیے، انہیں اچھی زندگی دیجیے، جب آپ کمائی اس کے لیے کررہے ہیں تو اس کی زندگی کے بارے میں بھی سوچنا ازحد ضروری ہے، پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہے، سوچئے اور عمل کیجیے۔